سلسلۂ مطبوعات مجلس
۲۱۵

انسانی علوم کے میدان میں

اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار

انسانی علوم میں یونانی، ایرانی، اور ہندوستانی فلسفہ و تمدن
کے کردار کا تنقیدی مطالعہ اور اس میدان میں اسلام کے
تعمیری و انقلابی کردار کا تفصیلی جائزہ اور اسلام کی عالمگیر
علمی تحریک کی خصوصیات کا بیان

از

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

بار اوّل

۱۴۰۸ھ ــــ ۱۹۸۸ء

کتابت ــــــــــ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ــــــــــ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

صفحات ــــــــــ ۸۰

قیمت ــــــــــ

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)

انسانی علوم کے میدان میں

اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار

۱۴۰۸ھ — ۱۹۸۸ء

عربی .. .. پہلا ایڈیشن .. .. قاہرہ

اردو .. .. ,, ... ,, ... لکھنؤ و کراچی

انگریزی .. .. ,, ... ,, ... لکھنؤ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

"انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

پیش نظر رسالہ اس عربی مقالے کا ترجمہ ہے جو الجزائر میں ستمبر کے پہلے ہفتے میں ہونے والے عالمی سیمینار (ملتقی الفکر الاسلامی) میں پڑھا گیا، عالمِ اسلام اور ممالک عربیہ میں جو سیمینار حکومتوں اور تنظیموں کی طرف سے منعقد کئے جاتے ہیں ان میں الجزائر کا یہ سیمینار خاص امتیاز و اہمیت رکھتا ہے، اور عرب اور مسلم دانشوروں اساتذۂ جامعات اور فضلاء کی اتنی بڑی تعداد شاید کسی اور سیمینار میں شرکت نہیں کرتی حکومت الجزائر کی طرف سے بھی اس سیمینار کے لئے بڑے وسیع اور فراخدلانہ انتظامات کئے جاتے ہیں، ۱۹۸۶ء میں یہ سیمینار الجزائر کے ایک مرکزی شہر سطیف میں منعقد ہوا، اس مرتبہ سیمینار کا عنوان "الاسلام والعلوم الانسانیہ" تھا، راقم سطور نے اس پر ایک مبسوط مقالہ "دور الاسلام الثوری البنّاء فی مجال العلوم الانسانیۃ" (انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار) کے عنوان سے قلم بند کیا تھا، سیمینار میں سب سے پہلے یہی مقالہ پڑھا گیا، فاضل سامعین نے اس کو بڑی توجہ اور سنجیدگی کے ساتھ سنا، سیمینار کے مجلس منتظمہ نے اس کو پہلے سے سائیکلو اسٹائل

کراکر تقسیم کردیا تھا، اس کا انگریزی ترجمہ بھی تیار تھا، مقالے کے بارے میں سوالات کے لئے بھی وقت رکھا گیا، قدرے تاخیر سے اصل مقالہ قاہرہ کے "دارالصحوۃ للنشر والتوزیع" کی طرف سے "دور الاسلام الاصلاحی الجذری فی مجال العلوم الانسانیۃ" کے عنوان سے اعلیٰ پیمانے پر شائع ہوا، عربی سے اردو ترجمے کی خدمت رفیق فاضل مولانا شمس تبریز صاحب استاذ لکھنؤ یونیورسٹی نے انجام دی، راقم سطور نے جب اس مقالے پر دوبارہ نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ یہ مقالہ اپنے اختصار کے باوجود اہم تاریخی حقائق، دنیائے قدیم کے تین علمی فکری اور تمدّنی مراکز یونان، ایران، ہندوستان کے بارے میں اہم معلومات عمیق تاریخی مطالعہ اور فکر و نظر کے نتائج پر مشتمل ہے، علم و تمدّن کی انتہائی ترقی کے باوجود وہ اخلاقی بے راہ روی اور پستی، معاشرتی انتشار اور دینی عقائد معرفت الٰہی اور کائنات اور خالق کائنات کے ربط و تعلق کے بارے میں بوالعجبیوں اور مضحکہ خیز اوہام و تخیّلات میں صدیوں تک کیوں گرفتار رہے، اور علم و فکر اور دین و اخلاق کے میدان میں ان کی زندگی میں یہ "تضاد" کیوں پایا جاتا تھا، پھر اسلام نے کس طرح اس تضاد کو دور کیا، اور علم صحیح اور صالح زندگی اور تمدّن کی نعمت سے دنیا کو کس طرح آشنا کیا اور علوم کے میدان میں کیا تعمیری و انقلابی کردار ادا کیا، پھر اسلام کی عالمگیر علمی تحریک اور اس کے علمبرداروں کے کیا امتیازی خصوصیات تھے، محسوس ہوا کہ اس کے بارے میں اس رسالہ میں ملل و ادیان کے تقابلی مطالعہ کا ایک اچھا خلاصہ آگیا ہے جو فکر انگیز بھی ہے، اور علم و فکر

و تالیف تصنیف سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے ولولہ انگیز بھی، اسی بنا پر خاصی تاخیر کے ساتھ۔ مقالہ کا اردو ترجمہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے، امید ہے کہ اُردو داں علمی و تصنیفی حلقوں میں دلچسپی اور سنجیدگی کے ساتھ پڑھا جائے گا اور وہ غور و فکر اور مزید بحث و مطالعہ کا محرک بنے گا۔

ابوالحسن علی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۲ شعبان ۱۴۰۶ھ
۳۱ مارچ ۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی علوم کے میدان میں
اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار

الحمد للہ وحدہٗ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ،

معذرت اور وضاحت

حضرات! سب سے پہلے تو میں انسانی علوم کے میدان میں اسلام کے کردار کو "انقلابی" قرار دیتے ہوئے اس لفظ کے استعمال کے لئے معذرت خواہ ہوں، کیونکہ اس لفظ سے منفی و تخریبی اور بعض اوقات شدید اعصابی دوروں کی ایک طویل تاریخ وابستہ ہے، اور یہ اسلام کے مثبت اور تعمیری و اصلاحی کردار اور اس کے ماخذ (وحی الٰہی) کے شایانِ شان نہیں ہے، جو ہر قسم کے ردِّ عمل اور جذباتیت سے بالاتر ہے، اس وحی کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے:۔

تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ — دانا اور خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔ (سورۂ فصّلت - ۴۲)

کچھ تحفّظات و تفصیلات کے ساتھ اس لفظ کے استعمال کا جواز انسانی علوم کے میدان میں اسلام کے اس بنیادی و ہمہ گیر انقلابی کردار کی بنا پر ہو جاتا ہے، جو اس نے جہالت کے ملبے کی صفائی، فاسد بنیادوں کے انہدام، اور علم و فکر انسانی کے مرغزار سے خود رَو اور فالتو خس و خاشاک کے خاتمہ، مفاہیم و مطالب کی تصحیح، حقائق کی توضیح اور دنیائے علم و عقل کی بنائے کہن کی جگہ تعمیرِ نو کی شکل میں انجام دیا ہے۔

دنیائے قدیم کے عقائد، عقلیات اور اخلاقیات کے جائزہ کی ضرورت

اسلام کے انقلابی و تعمیری کردار کی عظمت و وسعت کا محدود اندازہ اور اس کے کارنامے کا قدرے شعور اور اس کے مقاصد و مہمات کی تکمیل کی راہ میں پیش آمدہ مشکلات و موانع کا ادنی ادراک بھی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہم اس قدیم دنیا کا جائزہ لیں جس میں اسلام پیغام ہدایت لے کر آیا، اور ان عظیم پیشیرو اقوام کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالیں جو کم سے کم ۵۰۰ قم سے ۵۰۰ء (ایک ہزار سال) تک دنیا کی علمی و عقلی اور مذہبی قیادت کے منصب پر فائز نہیں رہی ہیں[1]۔

---

[1] فلسفۂ یونان کے عروج کا یہی زمانہ ہے، چنانچہ سقراط ۴۶۹ قم اور ۳۹۹ قم تک زندہ رہا، افلاطون ۴۲۷ قم میں اور ارسطو ۳۸۵ قم میں پیدا ہوا، اور فلسفہ و منطق، علوم ریاضیہ، طب و ادب میں یونانی مکتب فکر مشرق و مغرب کی براہ راست قیادت و رہنمائی، چھٹی صدی مسیحی تک، اور اس کے بعد تراجم کے

(باقی ص ۱۳ پر)

یونانِ قدیم اور دنیائے علم و عقل میں اس کا ساحرانہ و قائدانہ کردار

پوری دنیا کی علمی و فکری رہنمائی اور قیادت کرنے والے مکاتبِ فکر، اور متمدّن دنیا میں مغربی یورپ سے لے کر برّصغیر ہند کے آخری مشرقی کنارہ تک کے دماغوں پر فرماں روائی کرنے والے ممالک کی صف اول میں "یونان" کا نام آتا ہے، ہمیں دنیا کی علمی و فکری تاریخ میں یونان کے سوا کسی ایسی قوم کا سراغ نہیں ملتا جسے علمی و فکری حلقوں میں ایسا مقام و احترام حاصل ہوا ہو، جس کو دنیا کے ذہن پر اپنا سکّہ قائم کرنے کا ایسا طویل موقع ملا ہو، جس کو دنیا کے ذہین دماغوں نے مُقدّس و معصوم عن الخطا ہونے کا درجہ دیا ہو، اور یہ صورت حال (فہم و شعور کے ساتھ یا تحیّر و مرعوبیت کی بناء پر) تاریخ کی طویل مدّت تک اور وسیع ترین رقبہ میں سیکڑوں ہزاروں برس تک قائم رہی ہو۔

یہاں قارئین کے سامنے بعض تاریخی شہادتیں اور فضلاء و محققین کے اعترافات پیش کئے جاتے ہیں، H. A. L. FISHER "تاریخ عالم" میں اپنے مقالہ "دنیا کس حد تک یونان کی ممنون ہے؟" میں لکھتا ہے :-

"یورپین تہذیب کا منبع درحقیقت قدیم یونان ہے، اس کے مفکّرین اور فن کاروں نے اپنے شاہ کاروں میں انسان کو تلاش

(باقی ص۱۲ کا) ذریعہ (جب عربوں اور ایرانیوں نے اس کے افکار کی اشاعت اور اس کے علوم و فنون کی تعلیم و اشاعت کا بیڑا اٹھایا) صدیوں تک بالواسطہ مسلسل کرتا رہا۔

کیا اور فطرت کے مُعمّہ اور حُسن کی ترجمانی کی، یہاں اس قدر واضح حقیقت کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، علم کی تمام شاخیں خواہ ان کا تعلق ریاضی اور طب سے ہو، فلسفہ کی کسی شاخ مابعد الطبیعیات، منطق، اخلاقیات و نفسیات سے یا ادب کی کسی قسم سے ہو، ان سب کی بنیادیں یونانی ہیں، اگر ہم افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی نظریات سے صرفِ نظر کر لیں تو بھی یونانی زبان کے تین لفظ، حروف تہجی (ALPHABET) اسکول (SCHOOL) اور علم تعلیم و تدریس (PEDAGOGY) یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ یونانی ہی علم و فن کی راہ دکھانے والے تھے، عیسائی دینیات پر سامی اثرات کو ملحوظ رکھنے کے باوجود لفظ (THEOLOGY) جو یونانی الاصل ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بھی بنیادی طور پر یونانیوں کی دین ہے"[1]

W. G. DE BURGH اپنی کتاب THE LEGACY OF THE ANCIENT WORLD (دنیائے قدیم کا علمی و تہذیبی ترکہ) میں لکھتا ہے :۔

"کسی قوم نے زندگی اور علم کی حقیقتوں کو اتنی صاف اور واضح بصیرت کے ساتھ نہیں سمجھا اور نہ انھوں نے اتنی باریکی سے بیان کیا جتنا یونان کے حکماء اور ماہرین فن نے کیا، ان کی حیرت انگیز ذہانت نے انھیں علم و عمل کو اس طرح الفاظ کے

---

[1] UNIVERSAL HISTORY OF THE WORLD -(ed. J. A. HAMMERTON) LONDON. VOL. III P. 1555.

ذریعہ ظاہر کرنے کے قابل بنایا کہ آنے والی نسلیں ان کی رکھی ہوئی بنیادوں پر مطمئن ہی نہیں بلکہ اپنی عمارت کھڑی کرنے کے لئے ان کی ممنون رہی ہیں"۔[1]

فلسفہ وعلوم ریاضیہ میں قدیم ہندوستان کا مقام

اس سیاق میں یونان کے معاً بعد قدیم ہندوستان کا نمبر آتا ہے، اگر ہم علمی لحاظ سے ہندوستان کی تعریف میں اُن مبالغہ کرنے والوں سے قطع نظر بھی کر لیں، جو ہر عظمت و عبقریت کو ہندوستانی ثابت کرنے کے درپے رہتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ ہندوستان کے فلاسفہ و ماہرین ریاضیات فلسفہ، ریاضیات اور طب میں یونانیوں کے استاد رہے ہیں، اور یونان ان کا خوشہ چیں اور غاشیہ بردار رہا ہے تب بھی اس میں شک نہیں کہ فلسفہ وعلوم ریاضیہ اور طب میں ہندوستان کا نمبر یونان کے فوراً بعد آتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سرل ہنری فلپس SYRIL HENRY PHILIPS (سابق پروفیسر مشرقی تاریخ لندن یونیورسٹی) نے یہ اعتراف کیا ہے کہ:۔

"ہندوستان کا عظیم ترین کارنمایاں ذہنی و تہذیبی میدانوں میں ہے اس کا مذہبی اور فلسفیانہ نظام اور سنسکرت ادب، انسانی ذہن کی سب سے پہلی کامیابی ہے، نحو و صرف (گرامر) قانون، فن تعمیر، مجسمہ سازی، مصوری، مینا کاری، زیور بنانے، ہاتھی دانت

---

[1] P. 117. LONDON, 1947

تراشنے، اور چوب کاری کو انھوں نے بہت ترقی دی، ہندوستان میں نو تک ہندسوں اور اس کے بعد صفر کے ذریعہ گنتی کا طریقہ معلوم کیا گیا۔[1]

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم کا مرتب WILLIAM, L. LANGER ۳۲۰ء سے ۵۳۵ء تک کے ہندوستان کے رول کے بارے میں لکھتا ہے :-

"اس عہد میں ادبی تحریک کو بہت ترقی ہوئی اور ادبی ذخیرہ میں بہت اضافہ ہوا، اور کالی داس جیسا شاعر پیدا ہوا جس کے قصوں اور ڈراموں نے بڑی شہرت پائی اور دنیا کی کئی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوا، اس عہد میں دوسرے فنون نے بھی بڑی ترقی کی مثلاً معماری، نقاشی و مصوری، اور طب، علوم میں ہیئت و ریاضی علم الجبر (ALGEBRA) و ہندسہ کے اصول مرتب ہوئے، ایک ہندوستانی ماہر ریاضی آریہ بھٹ نے زمین کی گردش کا بھی دعوی کیا۔"[2]

ایران اپنی وسعتِ سلطنت اور تمدن کے نقطۂ عروج پر

یونان و ہندوستان کے بعد ایران کا نمبر آتا ہے، جو رومن ایمپائر سے الگ ہونے والے بیزنطینی ایمپائر سے رقبہ، شان و شوکت اور دولت و ثروت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ ص ۲۲۵ (۱۹۸۵ء ایڈیشن)

[2] AN ENCYCLOPEDIA OF WORLD HISTORY. P. 140

میں کہیں بڑھا ہوا تھا، اور جس کی بنیاد ۲۲۴ء میں "اردشیر" نے رکھی تھی، اور وہ اپنے عروج کے زمانہ میں شام، خوزستان، میڈیہ، فارس، آذربیجان، طبرستان، سرخس، جرجان، کرمان، مرو، بلخ، سغد، سیستان، ہرات، خراسان، خوارزم، عراق، یمن پر حکمرانی کر رہا تھا، اور اس نے بعض ہندوستانی علاقوں، کچھ، کاٹھیاواڑ، اور مالوہ پر بھی کچھ عرصہ حکومت کی، ایرانی شہنشاہی نے چوتھی صدی مسیحی سے بڑی وسعت حاصل کرلی، اور اپنے شمال و مشرق کے دور دراز علاقوں تک پہونچ گئی۔

طیسیفون (مدائن) اس ایمپائر کا دارالحکومت اور ایرانی شہنشاہ کی اقامت گاہ تھا، وہ مختلف شہروں (مدائن) کا مجموعہ تھا، جیسا کہ اس کے عربی نام سے ظاہر ہے، وہ پانچویں صدی مسیحی سے اس کے بعد تک ترقی، تمدن اور خوش حالی کے نقطۂ عروج پر تھا[1]۔

ایران بھی علوم عقلیہ وریاضیہ کے سلسلہ میں یونان سے مسحور اور اس کا خوشہ چیں تھا، تاریخ ایران قدیم کے ممتاز ترین ماہر مسٹر آرتھر کرسٹن سین ARTHUR CHRISTENSEN ڈنمارکی اپنی کتاب "ایران بعہد ساسانیان" (L'IRAN SOUS LES SASSANIDES) میں لکھتے ہیں:-

"مغربی ایران میں اور بالعموم ایشیا کے مغربی حدود پر یونانیت (یعنی عقائد یونانی) نے مختلف مذاہب میں ایک توافق کی صورت

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے "ایران بعہد ساسانیان" تصنیف آرتھر کرسٹن سین۔ ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

پیدا کر دی تھی۔"[1]

PERCY SYKAS کی کتاب HISTORY OF PERSIA میں ایران پر یونانی اثرات کے تذکرہ میں آتا ہے :-

"نوشیرواں نے ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کے وہ فارسی ترجمے مطالعہ کئے جو اس کے حکم سے ترجمہ کئے گئے تھے، اس نے جندیشاپور میں ایک یونیورسٹی بھی بنوائی جہاں طب کا خصوصی مطالعہ ہوتا تھا، اس کے ساتھ فلسفہ اور دوسرے علوم بھی نظر انداز نہیں کئے گئے "خدائی نامک" کتاب میں ایران کی معلوم تاریخ لکھی گئی جس پر فردوسی نے اپنے شاہنامے کی بنیاد رکھی، ہندوستان سے پیلپای (بیدپا) کی کتاب (جو حکایات لقمان کی پیشرو ہے) نیز شطرنج کا کھیل درآمد کیا گیا.... اس عہد میں ایران، مشرق و مغرب کے تبادلۂ افکار کا مرکزی مقام تھا۔"[2]

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں :-

"یونانی فلسفہ، جو ایران کی سرزمین کے لئے ایک بدیسی پودا تھا، بالآخر ایرانی تفکر کا ایک جزو لاینفک بن گیا، اور مابعد کے مفکرین، جن میں ناقدین اور یونانی حکمت کے حامی بھی شامل تھے، ارسطو اور افلاطون کی زبان بولنے لگ گئے تھے، اور

---

[1] "ایران بعہد ساسانیان" ص ۳۷

[2] HISTORY OF PERSIA : PERCY SYKAS, P. 459, (LONDON 1930)

ساتھ ہی ساتھ وہ قدیم مذہبی خیالات سے بھی بہت متاثر تھے"۔[1]

دنیا کی قیادت کرنے والی تینوں اقوام کی زندگی کے عجیب تضادات

ظہور اسلام سے چند صدی پیشتر کی قدیم ترقی یافتہ اقوام کے عقلی و فلسفیانہ اور علمی و فنی احوال کا مختصر جائزہ لینے اور اس بلندی کی تصویر کشی کرنے کے بعد، جہاں اقوام و ملل کی فکری قیادت کرنے والی یہ قومیں اور مکاتبِ فکر پہونچے تھے جس کے سبب دوسری قومیں ان کے خوان علم کی ریزہ چینی کرتی اور ان کے علمی نظریات و خیالات اور نتائج فکر کو علم و ذہانت کا سدرۃ المنتہیٰ سمجھتی تھیں، اور بعض اوقات بدیہی امور کی طرح (جن میں بحث و نظر کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی) آنکھ بند کر کے لیتی تھیں، ہم ان کے کچھ کمزور پہلوؤں اور ان کی عقلی و ثقافتی زندگی اور فکری و علمی نظام کے تضادات سے بھی بحث کریں گے، جن کا اس عقلی بلندی، فکری پرواز، دور رس علمی فتوحات، اور علوم انسانی کے میدانوں میں ان کے محیر العقول کارناموں اور کامرانیوں کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔

یونانی اساطیر و خرافیات

عقل انسانی بلکہ مذہب و ثقافت کی تاریخ کے بڑے تضادات بلکہ

---

[1] "فلسفۂ عجم" ترجمہ کتاب DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA از علامہ اقبال ترجمہ از میر حسن الدین ص ۱۵

عجائبات میں سے اس کائنات کے خالق و مُدبّر اور اس کی ذات و صفات کی معرفت اور دینی عقائد و الٰہیات کے بارے میں یونانی بوالعجبی بھی ہے جیسا کہ یونان قدیم کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یونان، جس نے دنیا کو علوم طبعیہ و ریاضیہ کا وافر سرمایہ فراہم کیا اور جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ اس نے صدیوں تک دنیائے علم و فکر کی قیادت کی، وہ اپنی تاریخ کے بڑے حصے میں کواکب و اصنام کا پرستار رہا، اور صدہا اوہام و خرافات میں گرفتار رہا، اس میں فکری پختگی اور قدیم مُسلّمات کو بلا تحقیق و تنقید نہ ماننے کی روایت کے ساتھ ساتھ ہر اس عجیب و غریب، خلاف عقل و خیالی بات کے مان لینے کی بھی حیرت انگیز صلاحیت تھی جس کا تعلق عقیدہ اور قدیم روایتی مذہب سے ہوتا۔

جدید تاریخ نے یونانی علم الاصنام (GREEK MYTHOLOGY) اور اس کی قدیم بُت پرستی سے پردہ اٹھا دیا ہے، جس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یونان قدیم دیوتاؤں اور دیویوں کا بُری طرح پرستار اور ان کے طلسم میں گرفتار تھا، وہاں ستارہ پرستی کے مندروں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔[1]

---

[1] اس تاریخی حقیقت سے بہت سے مسلمان متکلمین غافل رہے اور انھوں نے فلسفۂ یونان کو بلا استخفاف بڑی اہمیت و عزت دی، اور اس کے دعاوی و قضایا کو علمی مسلّمات سمجھتے رہے اس نکتہ کی طرف استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مقالہ میں بڑی باریک بینی کے ساتھ اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"وہ فلسفہ جو مسلمانوں نے یہودی و نصرانی مترجموں سے حاصل کیا،

(باقی صا۲۱ پر)

ڈاکٹر الفرڈ ویبر (ALFRED WEBER) اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ" (HISTORY OF PHILOSOPHY) میں یونان قدیم کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"ٹھیک جیسے ایک بچہ اپنے ماحول کو ایک طلسمی دنیا بنا لیتا ہے اور اپنے کھلونے اور لکڑی کے گھوڑے کو جاندار ہستیاں سمجھتا ہے، ایسے ہی نوع انسانی اپنی طفولیت میں نیچر کو اپنی ہی صورت کے مطابق بنا لیتی ہے (یہی حال کچھ یونان قدیم کا تھا)"[1]

وہ مزید لکھتا ہے:۔

"فلسفہ کا آغاز اس دن سے ہوتا ہے، جس دن سے ان لوگوں نے جن کو ارسطو حکماء کہتا ہے، روایتی خداؤں کو قصہ کہانی قرار دیا، اور اصول و علل سے فطرت کی توجیہہ کی، فلسفہ دین و دانش کے معرکہ سے نمودار ہوا، اور مذہب نے فلسفہ پر الحاد و بغاوت کا الزام لگا کر انتقام لینا شروع کیا، اس وجہ سے فلسفہ نے جلدی سے افسانہ و خرافات (میتھالوجی) کا جامہ نہیں اتارا، فلسفہ اپنے

(باقی صفحہ ۲۰ کا) وہ خالص نہ تھا، بلکہ ان کی آرا بھی اس میں شامل تھیں، اس فلسفہ کا کمزور ترین حصہ اس کی فلکیات والٰہیات ہیں، ان کی فلکیات یونانیوں کی کواکب پرستی اور اساطیر سے ماخوذ ہیں، جسے انھوں نے فلسفہ بنا دیا اور اسے فلسفیانہ اصطلاحات میں ادا کیا اور دلائل کے بجائے اوہام کا سہارا لیا، جیسے افلاک کی حرکت و طبیعت اور ان کی تاثیر کے دعوے وغیرہ" (کتاب المعتبر لابی البرکات ہبۃ اللہ بن علی البغدادی) (م ۵۴۷ھ) میں علامہ سید سلیمان ندوی کا مقالہ۔ ۳/۲۳۱

[1] تاریخ فلسفہ ص۸

خیالات کا اظہار شاعروں کی سریلی زبان میں کرتا رہا اور اس کے تصورات میں بھی اس ابدی اعتقاد کے نقائص موجود رہے، جس سے یہ برآمد ہوا تھا۔"[1]

جرمن فاضل ڈاکٹر ویلہلم وانسل WILHELM VANSEL لکھتا ہے :۔

"چونکہ ان کے مذہب میں تعلیم وعقائد کی نسبت پرستش زیادہ تھی، کوئی مسلّم نظامِ عقائد موجود نہیں تھا، روایتاً ایک دیومالا چلی آتی تھی جس میں زمانہ کے لحاظ سے تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا اور عوام اور شعراء کا تخیّل اس کی ہیئت بدلتا رہتا تھا۔"[2]

جرمن فاضل اڈولف ہولم (ADOLF HOLM) اپنی کتاب "تاریخ یونان" میں لکھتا ہے :۔

"یونانی طبعاً جدّت پسند تھے، اور ان کے مذہب میں عقائد کو مطلق دخل نہ تھا۔"[3]

اکابر علمائے اسلام کی اس حقیقت سے واقفیت

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) یونانی فلسفیوں کے یہاں اس عجیب تناقض کا ادراک کرتے ہوئے، ذات و صفات باری اور عقول و افلاک کے اس خود ساختہ زائچہ اور شجرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے،

---

[1] ایضاً ص۱۱ [2] مختصر تاریخ فلسفۂ یونان، از ڈاکٹر وانسل ص۱۴
[3] تاریخ یونان مترجمہ پروفیسر ہارون خاں شروانی ۲/۳۷

جو حکمائے یونان نے تصنیف کیا تھا، تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارا کہنا ہے کہ جو کچھ تم ذکر کرتے ہو وہ مفروضات اور نگاہ تحقیق میں تہ بہ تہ ظلمات ہیں، اگر کوئی انسان اسے خواب کی طرح بیان کرے تو اسے اس کے سوءِ مزاج پر محمول کیا جائے گا، یا اگر ایسی باتیں فقہی سلسلہ میں کہی جائیں، (جو قیاسات پر مبنی ہوتا ہے) تو وہاں بھی وہ غیر معتبر باتیں قرار دی جائیں گی جو غلبۂ ظن کے لئے مفید نہیں ہوتیں"۔[1]

وہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"میں نہیں سمجھتا کہ ان مفروضات کا انتساب کوئی مجنون بھی اپنی طرف گوارا کرے گا، چہ جائیکہ یہ عقلاء و فلاسفہ جو معقولات میں بزعم خود بال کی کھال نکالتے ہیں"۔[2]

اس نکتہ کو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے بھی سمجھا تھا جب یہ فرمایا تھا کہ:۔

"معرفت الٰہی کے سلسلہ میں یونانی بڑے ہی بدنصیب واقع ہوئے ہیں، اور اللہ، ملائکہ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں کے بارے میں تو وہ کچھ بھی نہیں جانتے اور اس بارے میں مثبت و منفی کچھ نہیں کہتے، البتہ اس بارے میں متاخرین فلاسفہ نے جو مختلف مذاہب سے وابستہ تھے، کچھ کلام کیا ہے"۔[3]

۱؎ تہافت الفلاسفۃ ص ۱۱۵ ۲؎ ایضاً ص ۱۲۴ ۳؎ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۵۷

یونان کے عقلی و مذہبی بحران کا سبب

یونان کی زندگی میں اس عقلی اضطراب و تضاد کا ذکر مصر کے ایک مسیحی ادیب و عالم جرجی زیدان نے اس طرح کیا ہے :۔

"یونانیوں نے یونانی خانہ جنگی کے بعد علم و فلسفہ کی طرف توجہ کی جو قریب ۲۷ سال تک جاری رہی تھی، اور جس کے اخیر میں ایتھنز پر مقدونیوں کا قبضہ ہو گیا اور اہل ایتھنز عزت کے بعد ذلیل ہو گئے، اس لئے انھیں غیرت اور ذلت کے احساس نے کائنات میں غور و فکر پر آمادہ کیا، اور اس طرح فلسفہ میں انھوں نے ترقی کی جس کا بانی و رہنما سقراط تھا، جنگوں کے بعد عموماً ادبی، علمی، یا سیاسی نشأۃ ثانیہ ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی وہ پہلے سے بھی اس طرف کچھ متوجہ تھے، ایتھنز کی اس ذلت کے سبب اس کے باشندوں میں ایک اضطراب برپا ہو گیا، انسان پر جب کوئی لاعلاج مصیبت آتی ہے، تو وہ زندگی اور اس کی حقیقت کی فلسفیانہ تحلیل و تجزیہ میں مصروف ہو جاتا ہے، اور اس طرح اپنا غم ہلکا کرتا ہے، خصوصاً ایتھنز کو عزت و رفعت کے بعد بڑی ذلت سے سابقہ پڑا اور اس کے سقوط کے بعد اس کے باشندے اپنے ماضی کی طرف افسوس اور مستقبل کی طرف خوف کے ساتھ دیکھ رہے تھے، ان کے قدیم فخر کے اسباب

ختم ہو چکے تھے، اوران کی کوئی نئی حکومت نہیں قائم ہو سکی تھی۔
اس وجہ سے ان کے ذہن اوران کی طبیعتیں انسانی احوال پر عموماً اوراپنے حالات پر غور کرنے کی طرف خصوصاً متوجہ ہوئیں، اوراس بیداری کا رُخ ادب وفلسفہ کی طرف تھا، چوتھی صدی قبل مسیح میں وہ لوگ اپنے ماحول کے مطابق علمائے متقدمین کی رایوں سے بحث کر رہے تھے، مگراس کے ساتھ ہی ان کی طبیعتیں اس میں اضافہ کی خواہش مند تھیں۔"[1]

ہندوستان میں دیوی دیوتاؤں کی کثرت

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان، فلسفہ وعلوم ریاضیہ اور طب میں فائق اور یونان سے ہمسری کا مرتبہ رکھتا تھا، اسی طرح وہ اپنے دیو مالا (MYTHOLOGY) میں بھی بہت آگے، اوراس معاملہ میں دوسرے ملکوں کا رہنما تھا، یہاں دیوی دیوتاؤں کا کچھ شمار وحساب، نہ تھا، ہر عجیب وخوفناک یا نفع بخش چیز قابلِ پرستش تھی، اس کے نتیجہ میں بُت سازی وصنم تراشی کی صنعت کو یہاں بہت فروغ حاصل ہوا، اور ماہرین نے اس میں بڑی کاریگری دکھائی۔

مسٹر مالے (L. S. S. O. MALLEY) "ہندوئیت عوام اور جمہور کا مذہب" میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] "تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ" از جرجی زیدان ۲/ ۳۳

"دیوتا بنانے کا عمل اسی حد تک نہیں رہا، بلکہ دیوتاؤں کے اس ہجومِ عفیر میں مختلف تاریخی ادوار میں چھوٹے موٹے دیوتاؤں کا برابر اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ ان کی تعداد بے شمار ہوگئی، ان میں سے بہت سے قدیم ہندوستانیوں کے دیوتا تھے جو ہندو مذہب کے دیوتاؤں میں شامل کرلیے گئے، اس طرح کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد ۳۳ کروڑ (۳۳۰ ملین) ہوگئی"[1]

مسٹر ویدیا (C. V. VAIDYA) اپنی کتاب "تاریخ ہند وسطیٰ" میں لکھتے ہیں:۔

"ہندو مذہب اور بودھ مذہب دونوں ہی بُت پرست تھے، بلکہ بُت پرستی میں بدھ مت ہندو مت سے آگے بڑھا ہوا تھا، بودھ مت کی ابتدا تو دیوتاؤں کے انکار سے ہوئی تھی، لیکن بتدریج بودھ کو خود بڑا دیوتا بنا لیا گیا، پھر وقت گزرنے کے ساتھ دوسرے دیوتاؤں کا بھی اضافہ کرلیا گیا"[2]

ایران کی مذہبی انتہا پسندی

ایرانی بھی ہر زمانہ میں ثنویت پرست رہے ہیں، دو خداؤں کو

---

[1] L. S. S. O. MALLEY: POPULAR HINDUISM THE RELIGION OF THE MASSES (CAMBRIDGE, 1935, P.P. 6-7)

[2] C. V. VAIDYA, HISTORY OF MEDIEVAL INDIA, VOL. I (POONA 1921)

ماننا گویا ان کا شعار رہا ہے، جن میں سے ایک نور یعنی خیر و نیکی کا خدا تھا، جسے وہ "آہورمزدا" یا "یزدان" کہتے تھے، دوسرا تاریکی یا شر کا خالق تھا، جسے "اہرمن" کہا جاتا تھا، اور جن کے درمیان جنگ ہمیشہ برپا سمجھی جاتی تھی۔

ایرانی مذہب کے مؤرخین ایرانی مجموعۂ اساطیر اور ان کے دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہیں، جو اپنے انوکھے پن اور باریک تفصیلات کے اعتبار سے یونانی علم الاصنام یا ہندوستانی دیومالا سے کچھ کم نہیں ہے۔[۱]

مجوسی قدیم زمانہ سے عناصر طبیعیہ خصوصاً آگ کی پرستش کے لئے مشہور رہے ہیں، اور اخیر زمانہ میں تو وہ آتش پرست ہی ہو کر رہ گئے تھے، جس کے لئے وہ آتش کدے بناتے تھے، جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے، اور اُن کے بڑے آداب و رسوم تھے، اس طرح آتش پرستی اور سورج پوجا کے سوا وہاں کے تمام مذاہب ختم ہوگئے، اور مذہب صرف چند رسوم و روایات کا نام رہ گیا، جنھیں وہ مخصوص جگہوں پر انجام دیتے تھے، معبدوں سے باہر وہ آزاد اور خود مختار تھے، اور مجوس و لامذہب لوگوں میں کوئی فرق نہ تھا، جن کا اخلاق و اعمالِ صالحہ میں کوئی حصہ نہ تھا۔[۲]

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین ایرانی مذہب کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"آریوں کے قدیم مذہب کی بنیاد عناصر، اجسام فلکی، اور

---

[۱] "ایران بعہد ساسانیان" از آرتھر کرسٹن سین ص ۲۰۴-۲۰۹ [۲] ایضاً

قدرت کی طاقتوں کی پرستش پر تھی، لیکن قدرت کے ان معبودوں کے ساتھ جلد ہی نئے خدا بھی شامل ہو گئے جو اخلاقی قوتوں کے نمائندے تھے، یا ذہنی تصوّرات کے مجسّمے تھے"[۱]

علّامہ اقبال نے ایرانیوں کی بے چین و بے قرار طبیعت کا اچھا تعارف کرایا ہے، جس کا اظہار ان کی زندگی اور ان کے مذہب و ادبیات میں ہوتا رہا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"ایرانیوں کا تتلی کا سا بیتاب تخیل گویا ایک نیم مستی کے عالم میں ایک پھول سے دوسرے پھول کی طرف اڑتا پھرتا ہے، اور وسعتِ چمن پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنے کے ناقابل نظر آتا ہے، اسی وجہ سے اس کے گہرے سے گہرے افکار و جذبات غیر مربوط اشعار (غزل) میں ظاہر ہوتے ہیں، جو اس کی فنّی لطافت کا آئینہ ہیں"[۲]

علم و حکمت کے مراکز میں اخلاقی پستی اور معاشرتی انارکی

دوسری باعثِ حیرت و استعجاب حقیقت جو ان تینوں قوموں اور ملکوں (یونان، ہندوستان و ایران) کی زندگی میں مشترک ہے، وہ ان کی اخلاقی پستی، جنسی بے راہ روی اور سفلی خواہشات کی غلامی ہے،

[۱] "ایران بعہد ساسانیان" ص۳۳ [۲] "فلسفۂ عجم" ۔ از ڈاکٹر محمد اقبال ص۱۳۔۱۴

اس طرح وہ ممالک بیک وقت فکری بلندی اور اخلاقی پستی کا نمونہ بنے ہوئے تھے، اور اس بداخلاقی سے فلسفیانہ غور و فکر، علمی فتوحات کی لذّت، اور اخلاقی اقدار بھی نہیں روک سکتی تھیں۔

یونان کا اخلاقی انحطاط

یونان کے سلسلہ میں اخلاق یورپ کے مشہور مؤرخ مسٹر لیکی W. E. H. LECKY کی شہادت کافی ہے، جو انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" HISTORY OF EUROPEAN MORALS میں دی ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"لیکن یونانی زندگی کی بوالعجبی یہ ہے کہ یہاں شہوت پرستی اپنے شباب پر مشاہیر حکمائے اخلاق کی نظروں کے سامنے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ انھیں کے ظلّ عاطفت میں پہونچی، اگر آج ہم سے کوئی بیان کرے کہ فرانس کی مشہور طوائف نینا ڈی ڑنکلو کے کمرہ میں پیرس کے دیندار اساطینِ مسیحیت بیٹھے ہوئے اسے اس کی دکانِ عصمت فروشی کی رونق اور ترقی سے متعلق مشورے دے رہے ہیں، تو ہم میں سے ایک شخص کو بھی اس روایت پر یقین نہ آئیگا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعینہٖ یہی تعلق سقراط اعظم اور طوائف تھیوڈوٹا کے درمیان تھا۔"[1]

---

[1] "تاریخ اخلاق یورپ" ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی ۲/۱۷۵-۱۷۶

وہ مزید لکھتا ہے :۔

" فلاسفہ کی تشکیک نے قدیم مذاہب کی جڑ کاٹ دی تھی، مشرقی تعیّش اور مشرقی بداخلاقیوں کا ایک سیلاب آگیا تھا، اور ایسی حالت میں زناکاری کے واقعات خاص طور پر نمایاں اور کثیر التعداد ہو گئے تھے۔"[1]

معتبر تاریخوں سے ارسطو اور اس کے بعض یونانی طوائفوں سے ناجائز تعلقات، اسی طرح افلاطون اور بعض دوسرے بڑے فلاسفۂ یونان مثلاً سقراط وغیرہ کے ناجائز جنسی تعلقات اور بداخلاقی کے واقعات سامنے آتے ہیں، جن سے جبینِ حیا عرق آلود اور چہرۂ ادب سرخ ہو جاتا ہے، دین واخلاق جیسے سنجیدہ موضوع اور اسلام کے اصلاحی وتربیتی کردار سے بحث کرنے والے کے لئے ان شہادتوں کو نقل کرنا بھی دشوار اور اُس کے ضمیر پر بار ہے، اس لئے وہ قارئین کو اصل ماخذ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔[2]

ہندوستان کی اخلاقی حالت

ہندوستان کے بارے میں بھی مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ہندوستانی معاشرہ چھٹی صدی مسیحی کے شروع میں اخلاقی انحطاط کے

---

[1] ایضاً ۲/۱۹۲

[2] ملاحظہ ہو HANSHICHT: SEXUAL LIFE IN ANCIENT GREECE. LONDON 1932

آخری نقطہ پر پہونچ گیا تھا[1]، اور مندروں تک فحاشی پھیل گئی تھی، اور یہ کوئی عیب کی بات بھی نہ رہی تھی، کیوں کہ اسے عبادت کا رنگ دے دیا گیا تھا۔[2]

ایک فاضل ہندو مؤرخ ودیا دھر مہاجن لکھتے ہیں:۔

"عوام محنت سے جی چرانے لگے تھے، اور اپنا وقت رنگ رلیوں میں صرف کرتے تھے، اس دور میں وام مارگ دھرم، عوام میں مقبول تھا، جس کے ماننے والے "کھاؤ پیو اور خوش رہو" کے اصول پر کاربند تھے، وہ شراب نوش، گوشت خوری اور عورتوں سے لطف اندوزی میں مست تھے، یہ خرابیاں علمی درسگاہوں تک میں سرایت کر چکی تھی۔

یہ بات بھی صحیح ہے کہ مٹھ جو پہلے علم کے مراکز ہوتے تھے، اس وقت کاہلی اور عیاشی کے گڑھ بن گئے تھے، اکثر و بیشتر پجاری غیر اخلاقی زندگی گزارتے تھے، اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد مندروں میں بتوں کی خدمت کے لئے وقف تھی جن کی وجہ سے مندروں میں بداخلاقی کا چلن ہو گیا تھا، مندروں میں دیوداسیوں کا رواج عام تھا، اسی زمانہ میں تانترک (TANTRIK) لٹریچر وجود میں آیا جو انتہائی فحش تھا،

---

[1] ملاحظہ ہو ANCIENT INDIA BY R. C. DUTTA

[2] ستیارتھ پرکاش از دیانند سرسوتی ص ۳۴۴

اور جس کی وجہ سے لوگوں کے اخلاق پر یقیناً بُرا اثر پڑا ہوگا۔"[۱]

ایران کا اخلاقی زوال

اسی طرح ایران بھی اخلاق و شرافت کے ساتھ مذاق اور کھیل کا کھُلا اسٹیج تھا، جہاں زندگی سے لطف اندوز ہونے اور زیادہ سے زیادہ مسرّتیں حاصل کرلینے کی دوڑ ہورہی تھی، اسی اثناء میں پانچویں صدی مسیحی کے اوائل میں مزدک کا ظہور ہوا جس نے زر، زن، زمین کے مِلک عام ہونے کا فلسفہ پیش کیا اور ان کو دولت مشترکہ قرار دیا۔

ایران کی ایک تاریخی دستاویز میں جس کا نام "نامۂ تنسر" ہے، اس عہد کی یہ تصویر پیش کی گئی ہے:-

"عصمتیں برباد ہوگئیں، بے شرمی عام ہوگئی اور ایک ایسی نسل پیدا ہوگئی جس میں نہ شرافت تھی، نہ حُسنِ عمل تھا، اور جس کے یہاں اصل و نسل کا کوئی سوال نہ تھا، نہ اس کا ماضی ہی قابلِ احترام تھا۔"[۲]

اس طرح ایران اخلاقی انارکی اور شہوت پرستی میں بُری طرح مبتلا ہوگیا، وہ رندی و تقویٰ کے درمیان گویا مسلسل جھولا جھول رہا تھا، وہ رشتے (جن کے ناقابلِ تصور ہونے کے عقیدہ پر اقالیم معتدلہ کے لوگوں کا

---

[۱] MUSLIM RULE IN INDIA. V. D. MAHAJAN. P. 34-35 DELHI 1970

[۲] "نامۂ تنسر" مینوی ایڈیشن ص ۱۳

اتفاق ہے) موضوع بحث و نزاع بن گئے تھے، اور بے محابا بہنوں اور بیٹیوں سے ازدواجی تعلق قائم کیا جاتا تھا۔

علم و فکر کی قائد اقوام کی حیرانی و سرگردانی اور منفی و متضاد فلسفے

دنیا کے ان تینؔ ممالک کے دور ترقی و عروج کا (جنھوں نے طویل مدّت تک علم و فلسفہ، اور ادب و سائنس میں دنیا کی قیادت کی) تنہا سب سے کمزور اور لائق تنقید پہلو یہ ہے کہ علم و فن، تحقیق و اکتشاف، اور ایجاد و اختراع کی راہ میں ان کا طویل اور تھکا دینے والا سفر جو ہر طرح انصاف پسند اور علم دوست لوگوں کی قدردانی و ستائش کا مستحق ہے، بے مقصد و منزل اور بے بصری و بے خبری پر مبنی تھا، اس لئے کبھی وہ حیرت و اضطراب اور کبھی منفی فلسفوں تک پہونچا دیتا تھا، چنانچہ اس نے یونان کو لاادریت (AGNOSTICISM) اور کبھی اباحیت و لذتیت (EPICUREANISM) تک پہونچایا جو دنیا سے لطف اندوزی اور لذت کوشی ہی کو "خیر اعلیٰ" اور ترک و اختیار کا معیار قرار دیتا تھا، اور کبھی وہ سوفسطائیت (SOPHISM) کے دامن میں پناہ لیتا تھا، جو ثابت و مُسلَّم حقائق تک پہونچنے کے امکان ہی کا انکار کرتی ہے، اس کے نزدیک حقیقت شخصی اور غیر معیّن شے ہے، اور افراد کے اختلاف کے مطابق بدلتی رہتی ہے، ان تعلیمات کے نتیجہ میں اخلاق کے مُسلَّمہ پیمانے ٹوٹ گئے، اور بدیہیات و مسلّمات بھی مشکوک ہو گئے۔

خلوت نشینی، تفکر (دھیان گیان)، ذکاوت و ذہانت اور

تجرّد و نفس کُشی پر مبنی روحانی سفر نے ہندوستان کو "جین مت" (JAINISM) تک پہونچایا جس کا ظہور چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا اور جو زیادہ تر منفی اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہے، اور جس میں شخصی ملکیت کی ممانعت، ایذا رسانی حتیٰ کہ حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں کے مارنے سے بھی پرہیز کی تعلیم تھی، پھر ہندوستان مہاویر کے عہد میں تجرّد اور پُر مشقت رہبانیت تک پہونچا، اسی عہد میں (۵۶۳ ق م) میں گوتم بدھ کا ظہور ہوا، جن کی تعلیمات برہمنی اور طبقاتی نظام کے ردّ عمل، رہبانیت، اور گیان دھیان میں مبالغہ پر مبنی تھیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ بدھ مت کی ابتدا دیوتاؤں کی نفی سے ہوئی، مگر اس میں بتدریج گوتم بدھ ہی سب سے بڑے دیوتا بن گئے، اور بعد میں پھر اور دیوتاؤں کا بھی اضافہ ہوتا گیا[۱]۔

اس طرز فکر نے ایران کو زرتشتیت تک پہونچایا جس کی جانشین مزدکیت ہوئی جو نور و ظلمت اور خدایان خیر و شر کے ابدی معرکہ کے تصوّر پر قائم تھی، پھر مانی آیا جس نے دنیا سے شر و فساد ختم کرنے کے لئے اور قطع نسل کے ذریعہ نور کو ظلمت پر فتح دینے کے لئے تجرّد کی زندگی کی دعوت دی، یہ تیسری صدی مسیحی کے اوائل کا رجحان تھا، پھر پانچویں صدی مسیحی کے اوائل میں مزدک نے زر، زن، زمین کے ملک عام ہونے کا اعلان اور اشتراکیت کی کھلے عام دعوت دی، جس کے نتیجہ میں کسانوں میں بغاوت پیدا ہوئی، لٹیروں کو چھوٹ مل گئی، اور کھیتیاں ویران ہوگئیں[۲]۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ ہندوستان" از وید یا، پونا (۱۹۲۱ء) ص ۱۰۱
[۲] ایران بعہد ساسانیان۔

ایران قدیم اپنی تاریخ کے اکثر حصے میں، کبھی انتہا پسند دعوتوں، تحریکوں اور سخت ردّ عمل کے زیر اثر رہا، وہ کبھی کسی نسل، طبقاتی یا دینی آمریت، کبھی انتہا پسند اشتراکیت، یا مطلق لاقانونیت کے ماتحت رہا ہے، اور یہ سب ہدایت و رہنمائی وکامل و بے خطا رہنما سے محرومی اور کسی صاحبِ بصیرت مُؤیّد من اللہ قائد کے بغیر سفر کا نتیجہ تھا۔

عملی و واقعاتی زندگی سے دور بکھری ہوئی علمی اکائیاں!

اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون، شعر و ادب، فلسفہ و منطق ریاضیات اور (ENGINEERING) جغرافیہ و تاریخ کے مختلف مکاتب خیال منتشر اور کبھی متضاد اکائیاں بن کر رہ گئیں، جن کے مقاصد و نتائج، سیرت و اخلاق کی تربیت، اور انسان و کائنات کے بارے میں نقطۂ نظر کا بڑا فرق تھا، اور ان میں کوئی ربط باہمی اور مفاہمت بھی نہ تھی، چہ جائیکہ انسانی سعادت، صالح معاشرہ، اور صحت مند تمدّن کی تعمیر اور مخلوق کو خالق اور کائنات کو اس کے مالک سے ملانے کے سلسلہ میں کوئی اشتراک و تعاون ہوتا، اس طرح اس فکر و ثقافت کے ائمہ و اساتذہ تغیر پذیر عملی زندگی، متحرک و نمو پذیر معاشرہ سے بے تعلق اور حکومتوں کے رویّہ سے (جن میں کمتر عادل اور بیشتر ظالم ہوتی تھیں) آنکھیں بند کر کے اپنی محدود خیالی اور مصنوعی دنیا میں رہتے تھے، اور بسا اوقات انھیں انسانیت کے مستقبل اور معاشرہ کے حالات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔

اور وہ اس سلسلہ میں اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے تھے۔

نبوی تعلیمات سے دوری ان قوموں اور ملکوں کی حرماں نصیبی کا بنیادی سبب تھا

علوم وفنون، ادب و فلسفہ اور ریاضیات میں محیّر العقول کمال و مہارت رکھنے والی ان قوموں اور ملکوں کی حیرانی و سرگردانی اور ان کے علم وعمل، فکر و نظر اور اخلاق و عادات کے درمیان اتنے عظیم تفاوت اور ایسی گہری خلیج کا راز، فکری و اعتقادی انتشار، مذاہب و آراء کے تنوّع، علمی اکائیوں کے تضاد و انتشار اور ربط و وحدت پیدا کرنے والی کسی قوت یا کسی شریفانہ مشترکہ غایت کے فقدان کا سبب اس آخری دھاگے کا بھی ٹوٹ جانا تھا، جو ان قوموں اور ملکوں کو نبوی تعلیمات سے باندھ سکتا تھا،[۱] کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا یہی واحد وسیلہ ہے،

---

[۱] قرآن کہتا ہے "فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ (المومن ۸۳) (جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے، اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے، اس نے ان کو آن گھیرا)

علامہ آلوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں مفسرین کا ایک قول یہ نقل کرتے ہیں:

"اس میں علم سے مراد مختلف یونانی فلاسفہ اور دہریوں کا علم ہے کہ جب وحی الٰہی کے بارے میں سنتے تو اس کا انکار کرتے اور اپنے علم کے مقابلہ میں انبیائی علم کی تحقیر کرتے تھے، چنانچہ سقراط کے بارے میں آتا ہے کہ

(باقی ص ۳۷ پر)

جو جہالت و ضلالت، سوءِ فہم و غلطیٔ تعبیر سے محفوظ ہے، واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے راستے کے سوا معرفت الٰہی کا کوئی اور راستہ نہیں، نہ اس سلسلہ میں عقل رہنمائی کر سکتی ہے، نہ تنہا ذہانت کام کر سکتی ہے، نہ سلامت فکر و حسنِ فطرت، ذہن کی تیزی، قیاس آرائی، تجربہ کاری مدد کر سکتی ہے۔

اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہلِ جنّت کی زبان سے کیا ہے، جو صادق القول بھی ہیں، اور یہ ان کے ذاتی تجربہ کا معاملہ بھی ہے، اور یہ موقعہ بھی کسی غلط بیانی اور مبالغہ آمیزی کا نہیں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا	خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں
لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ	کا راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو
لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۝	راستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ
(سورۃ الاعراف۔۴۳)	نہ پا سکتے۔

(باقی ص۳۶ کا) اس کو حضرت موسیٰؑ کی بعثت کا علم ہوا اور اس سے کہا گیا کہ تم کو ان سے ملنا چاہیئے، اس پر اس نے کہا کہ ہم پہلے ہی سے تعلیم یافتہ و اصلاح شدہ لوگ ہیں، ہمیں کسی معلّم اخلاق کی ضرورت نہیں" (روح المعانی ۲۹/۲۴) اور یہی حال ہندوستان اور ایران کا بھی تھا مشہور انگریز فلسفی راجر بیکن ROGER BACON نے اس طبقہ کی نفسیات PSYCHOLOGY کی اپنے اس مقولہ سے صحیح عکاسی کی ہے کہ" وہ اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے بڑے طمطراق سے اپنے زرق برق علم کا مظاہرہ کرتا ہے"۔

ROGER BACON OPUS MAGUS TRANS. R. S. BURKE, 1928

اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں، کہ وہی معرفت صحیح کا ذریعہ اور اس راستہ کے رہنما تھے، جو اس منزل تک پہونچاتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۝ (سورۃ الاعراف ۴۳)

بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرامؑ کی بعثت ہی کی وجہ سے ان کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اللہ کی صحیح معرفت حاصل کریں، اور اس کی مرضی اور اس کے احکام معلوم کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں، اور اس کے نتیجہ میں جنّت میں داخلہ ممکن ہوا.... اللہ تعالےٰ نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ الصَّافَّاتْ (جس میں مشرکین کی گمراہی، ان کی بد اعتقادی، اور اللہ کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی گئی ہے، جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں) کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورہ الصافّات ۱۸۰۔۱۸۲)

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمھارا پروردگار جو صاحبِ عزّت ہے، اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام، اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔

یہ تینوں آیتیں ایک طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں، جو ایک دوسرے سے

پیوست ہیں، کیونکہ حبیب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی لغو اور بیہودہ باتوں سے منزّہ فرمایا تو اس کی تکمیل انبیائے کرام علیہم السلام کے ذمہ کی، جنھوں نے خدا کی کامل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا، اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کئے، اللہ نے ان پر سلام بھیجا، اور ان کی تعریف کی کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح صفات سے روشناس کرانے کا سہرا انھیں کے سر ہے، اور ان کی بعثت مخلوق پر احسانِ عظیم، انسانوں کے لئے نعمت عظمیٰ اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضائے بلیغ ہے اس لئے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:-

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ الصافات ۱۸۲)	اور ساری تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں، جو سارے جہان کا رب ہے۔

عقائد و اعمال اور اخلاق اور تمدّن کی اساس

انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس دین و علم پر ہی انسانیت کی سعادت موقوف ہے، کیونکہ وہ عقائد و اعمال، اور اخلاق و تمدّن کی اساس مہیّا کرتے ہیں، انسان صرف اسی کے ذریعہ معرفتِ نفس بھی حاصل کرسکتا ہے، اور کائنات کی گتھّی بھی سلجھا سکتا اور زندگی کے اسرار سمجھ سکتا ہے، اور اس کے وسیلہ سے اس دنیا میں اپنا مقام متعین کرسکتا، ابنائے جنس سے اپنے تعلقات اُستوار رکھ سکتا ہے،

اپنی زندگی کو صحیح رُخ دے سکتا اور اعتماد و بصیرت اور وضاحت وقطعیت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعیّن کرسکتا ہے۔

پھر نبوی تعلیمات ـــ جن کے شروع و اخیر میں نبوّت محمدیہ ہے علم کو ہمیشہ عمل کے ساتھ، قول کو فعل کے ساتھ اور ایمان کو انفرادی و اجتماعی رویّہ کے ساتھ مربوط کرتی آئی ہیں، قرآن کہتا ہے :۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ	اے ایمان والو! تم کیوں
تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○	وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں
کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ	اللہ کو یہ سخت ناپسند
تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○	ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے
(سورۃ الصف ۲-۳)	نہیں۔

اسی کے ساتھ قرآن حکماء و شعراء کی مذمت کرتا ہے کہ جو وہ کہتے ہیں، کرتے نہیں "وَیَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْن"، اور علمائے راسخین کی تعریف میں کہتا ہے کہ :۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ	اللہ سے اس کے عالم بندے
الْعُلَمٰٓؤُا۔ (سورۃ فاطر ۲۸)	ہی ڈرتے ہیں۔

بے عمل اہلِ علم کی مذمّت کے لئے قرآن مجید نے سخت ترین الفاظ استعمال کئے ہیں، فرمایا گیا ہے :۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا	جن لوگوں کو تورات پر عمل کا
التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا	حکم دیا گیا تھا، پھر انھوں نے

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط (سورۃ الجمعۃ ـ ۵)

اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو۔

نبوی تعلیمات میں تہذیب اخلاق اور تزکیہ و تربیت کی اہمیت

نبوی دعوت و مقاصد بعثت میں تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن نے سورۃ الاسراء میں اخلاقیات کے اصول و مبادی کے ذکر کے بعد ان کو "حکمت" سے تعبیر کیا ہے:۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط (سورۃ الاسراء ـ ۳۹)

یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کو وحی کی ہے۔

حضرت لقمان کی اخلاقی تعلیمات کے ذکر سے پہلے کہا گیا:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ط وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (سورۃ لقمان ـ ۱۲)

اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ خدا کا شکر کرو، اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور سزاوار حمد (وثنا) ہے۔

اللہ کی راہ میں بغیر احسان جتائے اور بغیر اذیت دیئے ہوئے

خرچ کرنے، اللہ پر توکل کرنے اور فقر سے خائف نہ ہونے کے ذکر کے بعد فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ (سورۂ البقرۃ-۲۶۹)	وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکمیل مکارم اخلاق کو اپنی بعثت کا اہم مقصد بتایا ہے، فرمایا:-

انما بعثت لأتمم مكارم الاخلاق۔[1]	میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔

سیرت و تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ اخلاق کریمانہ کی بہترین مثال اور سراپا اسوۂ حسنہ تھے، اور قرآن نے بھی اس کی گواہی دی ہے کہ:-

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ القلم-۴)	اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔

آغوشِ نبوت کی تربیت یافتہ مثالی جماعت کی ایک جھلک

آخری رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آغوش تربیت سے ایسی مبارک اور مثالی نسل تیار ہوئی جو اخلاق حسنہ اور صفات کریمانہ

---

[1] مؤطاء امام مالکؒ

سے آراستہ اور اخلاقی برائیوں، ناپسندیدہ عادتوں، مذموم صفات ہوائے نفس، جاہلی رسوم اور شیطانی وساوس سے پاک صاف تھی، خود قرآن نے ان کی سلامتی طبع، صاف باطنی، تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے کی شہادت اس طرح دی ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ	اور جان رکھو کہ تم میں خدا
لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ	کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی
لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ	باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا
اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ	کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ
قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ	لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ	بنا دیا اور اس کو تمہارے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ	دلوں میں سجا دیا اور کفر اور
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً	گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	کر دیا، یہی لوگ راہِ ہدایت پر
(سورۃ الحجرات ۷۔۸)	ہیں (یعنی) خدا کے فضل اور
	احسان سے اور خدا جاننے والا
	(اور) حکمت والا ہے۔

واقعہ جو خیال و تصویر سے زیادہ دلکش ہے

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتاب "النبوۃ والانبیاء

فی ضوء القرآن" سے ایک اقتباس پیش کروں جو نبوّت محمدی کے کارنامہ سے متعلق ہے، صحابۂ کرام کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

"اس جماعت کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوّت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ اور نوع انسانی کے اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصوّر نے اپنے فن کار موئے قلم اور صنّاع ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی، جیسے کہ حقیقت واقعہ اور تاریخ کی شہادت کی روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے شاداب تخیّل، موّاج طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیلہ، ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا، جس کا نمونہ ان کی ذات میں موجود تھا، دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہوکر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیّل اس بلندی تک نہیں پہونچ سکتا، جہاں واقعاتی زندگی میں وہ لوگ موجود تھے، جو آغوشِ نبوّت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، اور جو درسگاہ محمدی سے فارغ ہوکر نکلے تھے، ان کا قوی ایمان ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل، ان کی بے تکلف اور ریاء و نفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری، ان کا خوف خدا، ان کی عفّت و پاکیزگی اور انسان نوازی، ان کے احساسات کی لطافت و نزاکت، ان کی مردانگی و شجاعت، ان کا ذوق عبادت

اور شوقِ شہادت، ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت گزاری، متاعِ دنیا اور آرائشِ زندگی سے بے نیازی، ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری، اور اپنی راحت پر ان کی راحت کو ترجیح، ایسی چیزیں ہیں کہ اگلی اُمّتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادّیت کے مظاہر کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والا، اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوّت سے فتح پانے والا تھا، جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف اور محنتی انسان نظر آتا، وہ جب کبھی کسی علاقہ کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی و بہی خواہ عامل ہوتا، وہ جب مالدار ہوتا تو فیّاض و غم خوار مالدار ہوتا، جب وہ مسندِ قضا اور عدالت کی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا، اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غم خوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحبِ فہم خازن ہوتا، انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرہ کی

عمارت بنی تھی، اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی، یہ معاشرت وحکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق و نفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں، اوران افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح، امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا اور مادّی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا۔[1]

مغربی فاضل کائتانی (CAETANI) اپنی کتاب "سنین اسلام" میں کہتا ہے :۔

"یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلّغ اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہونچائی تھیں، اس کے امین تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبّت نے ان لوگوں کو فکر وجذبات کے ایک ایسے عالم میں پہونچا دیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدّن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیّر ہوا تھا اور بعد میں انھوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصول وافکار کی تخم ریزی، زرخیز زمین میں کی گئی تھی،

---

[1] "منصب نبوّت۔ اوراس کے عالی مقام حاملین" ص ۱۷۹-۱۸۱

جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدّس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انھیں پہونچا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنھوں نے مسلم سوسائٹی کے اوّلین فقہاء، علماء اور محدّثین کو جنم دیا"۔[1]

وحدت اور توحید کا واحد راستہ

انسان پر عقیدۂ توحید کا جو عقلی اثر مرتب ہوتا ہے، اس کی بدولت وہ سارے عالم کو ایک مرکز اور ایک نظام کے تابع سمجھنے لگتا ہے، اور اس کے اجزائے پریشاں میں ایک کھلا ہوا ربط اور وحدت نظر آنے لگتی ہے، اور اس طرح انسان زندگی کی پوری تشریح کر سکتا ہے، اور اس کے فکر و عمل کی عمارت و حکمت و بصیرت، خیر و تقویٰ پر تعاون، انسانیت کی صلاح و فلاح معاشرے کی تنظیم، تمدّن کی رہنمائی، دین و دنیا کے اجتماع، اور حریف و برسرپیکار طبقات کی وحدت و اخوت کی بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے۔

یونان کے تذکرے میں گذر چکا ہے کہ اس وقت علمی اکائیاں،

---

[1] CAETANI, ANNALI DELL ISLAM, VOL. II, P. 429 ماخوذ از

T. W. ARNOLD, PREACHING OF ISLAM, LONDON (1925), P. 41-42

اور کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ اکثر حالات میں متضاد و متناقض تھیں مثلاً علم و حکمت و طبیعیات دین کا مخالف تھا، حتیٰ کہ طب و ریاضی جیسے بے ضرر فنون کے ماہرین کبھی کبھی اس سے سلبی و الحادی نتیجے نکالتے تھے، چنانچہ (جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے) حکمائے یونان عموماً مشرک و ملحد تھے، اس لئے ان کے علوم و مکاتب فکر مشرق کے دین و مذہب کے لئے کئی صدیوں تک خطرہ اور تشکیک و نفاق کا چور دروازہ بنے رہے، اور ان کی تحقیق و تدریس سے شغف رکھنے والوں اور ان کے قدر دانوں کے عقائد جس طرح متزلزل ہوئے اس کی داستان طویل ہے جس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔

کائناتی مظاہر میں رشتۂ وحدت کی دریافت

زمانۂ سابق میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی سب سے بڑی عطا اور اخیر زمانے میں اسلام کا عظیم احسان یہ تھا کہ اس نے ایسی دعوت کا پتہ بتایا جو علمی اکائیوں میں ربط و نظام پیدا کر دیتی ہے، اور یہ اس کے لئے اس طرح آسان اور ممکن ہوا کہ اس نے علم و معرفت کے میدان میں صحیح نقطے سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اس نے اللہ پر ایمان و یقین، اس سے مدد اور اس پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت پر عمل کرنے سے اپنا سفر شروع کیا جو اس نے اپنے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دی تھی، اور اس سے پہلی وحی کا آغاز ہوا تھا، فرمایا گیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ	اپنے مالک کے نام سے پڑھئے
خَلَقَ o (سورۃ العلق ۔ ۱)	جس نے دنیا پیدا کی ۔

اور صحت آغاز اکثر حسن انجام کی ضمانت ہوتی ہے، اسلام نے قرآن اور ایمان کی بدولت اس وحدت کو پالیا، جو تمام وحدتوں میں ربط پیدا کر دیتی ہے، اور وہ اللہ تبارک وتعالے کی معرفت ہے جس کے لئے اللہ تعالے نے اپنے مؤمن بندوں کی تعریف میں کہا ہے:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ	اور آسمان اور زمین کی پیدائش
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا	میں غور کرنے (اور کہتے ہیں)
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج	اے پروردگار تو نے اس (مخلوق)
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ	کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا
النَّارِ o	تو پاک ہے تو (قیامت کے
(سورۃ آل عمران ۔ ۱۹۱)	دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو ۔

زمانۂ قدیم میں کائناتی مظاہر و مناظر اور حوادث و تغیّرات کی وحدتیں متناقض و متضاد معلوم ہوتی تھیں، اور اس وجہ سے انسان کو حیرت و اضطراب میں ڈالتی تھیں، اور کبھی کفر و الحاد تک پہونچا دیتی تھیں (جیسا کہ یونان اور مشرق اسلامی کے یونانی مکاتب فکر کا حال تھا، اور جیسا کہ آج مغرب کا حال ہے) اور خالق و مُدبّر کائنات پر طعن و اعتراض کی جرأت و جسارت پیدا ہو جاتی تھی

مگر ایمان و قرآن پر مبنی علم انسانی نے اس وحدت کا اعلان کیا جو ان کائناتی اکائیوں کو ایک رشتہ میں پرو دیتی ہے، اور جسے اللہ تعالےٰ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمتِ تامّہ کہا جاتا ہے۔

حیات و کائنات کے فہم پر عقیدۂ توحید کا اثر

ایک بڑے مغربی مفکر ہیرالڈ ہوفڈنگ (HAROLD HOFDING) نے اس وحدت کی دریافت اور انسانی زندگی اور علم و اخلاق کے سفر پر اس کے فعال اثر کی اہمیّت کے بارے میں لکھا ہے:-

"کسی توحیدی مذہب کی دینیات کی اساس فکر یہ ہوتی ہے کہ تمام اشیاء کی ایک واحد علّت ہے، ان مشکلات سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اس خیال سے لازماً پیدا ہوتی ہیں، اس کا ایک اہم اور مفید اثر انسانی طبائع پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو (اختلافات اور تفصیلات کو نظر انداز کر کے) ایک قانون کے مطابق تمام اشیائے عالم کو مربوط و منضبط سمجھنے کی عادت ہو جاتی ہے، علّت کے ایک ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ قانون بھی ایک ہو، ازمنۂ وسطیٰ کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا جس سے غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا، اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لئے

غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان میں ربط ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سر رشتہ نہ تھا۔"[1]

انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت اور اس کے فائدے

قرآن مجید نے علم کے مختلف وسائل و ذرائع اور تحقیق و مطالعہ کے متعدد مصادر و مآخذ بیان کئے ہیں، چنانچہ وہ انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، قرآن اسے "ایام اللّٰہ" اور "سنّت اللّٰہ" سے تعبیر کرتا ہے (جسے آج تاریخ کہا جاتا ہے) اور اس طرح بڑے قیمتی اور دور رس پُر از امکان اور انسانی مستقبل پر گہرائی سے اثر انداز ہونے والے نتائج تک پہنچاتا ہے۔

علامہ اقبال، عقل انسانی اور علم کے وسائل و مصادر کی اسلام کے ذریعے وسعت و نتیجہ خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبات میں لکھتے ہیں:-

"لیکن مشاہداتِ باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا، قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں، ایک عالمِ فطرت، دوسرا عالمِ تاریخ، جن سے استفادہ کرنے میں عالمِ اسلام

---

[1] تاریخ فلسفۂ جدید۔ از ڈاکٹر ہیرالڈ ہوفڈنگ ج ۱ ص ۵

(HISTORY OF MODERN PHILOSOPHY)

کی بہترین روح کا اظہار ہوا ہے، قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس و قمر، یہ سالوں کا امتداد، یہ اختلافِ لیل و نہار، یہ رنگ اور زبان کا فرق، اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد و شد، حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالمِ فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے، حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں، اور اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و تفکر سے کام لے، یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے، کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے، وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن مجید نے تعلیم دی، جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے، وہ متناہی ہے، اور اضافہ پذیر، تو انجام کار یونانی فلسفہ کی مخالفت پر، جس کا اپنی حیات ذہنی کی ابتدا میں انھوں نے بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کیا تھا، اتر آئے، شروع شروع میں تو انھیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن مجید کی روح فلسفۂ یونان کے منافی ہے، اور اس لئے حکمت یونان پر اعتقاد کرتے ہوئے انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی

فکرِ یونان ہی کی روشنی میں کیا، لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کے بجائے نظریات پر، لہذا ظاہر ہے کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور یہ اسی کوشش کی ناکامی تھی، جس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح برسرِ کار آئی، حتیٰ کہ تہذیبِ جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھئے تو ان کا ظہور بھی اسی کا مرہونِ منّت ہے"۔[1]

وہ مزید لکھتے ہیں کہ "قرآن پاک نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے، اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام و امم کا محاسبہ انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے، مزید یہ کہ انھیں اپنی بد اعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اُس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا، علاوہ ازیں قارئین کو توجہ دلائی کہ نوعِ انسانی کے گزشتہ اور موجودہ احوال و شئون کے مطالعے میں غور و فکر سے کام لیں"۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا	اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں
أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ	دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۙ	سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ
وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ	اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۹۶-۱۹۷ (لاہور ۱۹۵۸ء)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ○
(سورۃ ابراہیم۔ ۵)

اس میں ان لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں (قدرتِ خدا کی) نشانیاں ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ○ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ○
(سورۃ اعراف ۱۸۱۔۱۸۲)

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا رستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○
(سورۃ آل عمران۔ ۱۳۷)

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گذر چکے ہیں، تو تم زمین میں سیر کرکے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران۔ ۱۴۰)

اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ

اور ہر ایک فرقے کے لئے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے جب

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ؀ وہ آجاتا ہے، تو نہ تو ایک گھڑی

(سورۂ اعراف-۳۴) دیر کر سکتے ہیں، نہ جلدی۔

آخری آیت پر نظر رکھئے تو اس کی حیثیت ایک مخصوص تاریخی تعمیم کی ہے، جس میں گویا بڑے حکیمانہ انداز میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ امم انسانی کا مطالعہ بھی ہمیں بہ طور اجسام نامیہ علمی نہج پر کرنا چاہیئے، لہٰذا اس سے بڑی علمی غلط بیانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن پاک میں کوئی ایسا خیال موجود نہیں، جو فلسفۂ تاریخ کا سرچشمہ بن سکے، حالانکہ بہ نگاہِ حقیقت دیکھا جائے تو ابن خلدون کا مقدمہ سرتاسر اس روح سے معمور ہے، جو قرآن مجید کی بدولت اس میں پیدا ہوئی، وہ اقوام و امم کے عادات و خصائل پر حکم لگاتا ہے، تو اس میں بھی زیادہ تر قرآن پاک ہی سے استفادہ کرتا ہے!![1]

عالمی و منفرد علمی تحریک جو اسلامی تعلیمات سے پیدا ہوئی

اسلام نے علم کی جو عزّت افزائی کی اور جس طرح اس کا شوق پیدا کیا اس سے تاریخ اسلام میں بڑی سرگرمی بلکہ علمی جوش و خروش اور فنا فی العلم ہونے کا بے پناہ جذبہ و داعیہ پیدا ہو گیا، اور اس عالمی و ابدی علمی تحریک کا تاریخی سفر شروع ہوا جس کی زمانی مدّت طویل ترین مدّت، اور جس کی مکانی مسافت بھی طویل تر اور جس کا

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص۲۱۲-۲۱۳

معنوی رقبہ ان دونوں سے کہیں زیادہ تر ہے، نامور مغربی محقق اور فرنچ مؤرخ ڈاکٹر گستاولی بان اپنی کتاب "تمدّن عرب" میں لکھتا ہے:۔

"عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے، اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں، لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لے جاسکی، جب وہ کسی شہر کو لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد و مدرسہ بنانا ہوا کرتا، بڑے شہروں میں ان کے مدارس ہمیشہ بکثرت ہوتے تھے، بنجمن ولی تو ویل جو ۱۱۷۳ء میں مرا ہے، بیان کرتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں بیس (۲۰) مدرسے دیکھے۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے بغداد، قاہرہ، طلیطلہ، قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دار العلوم تھے، جن میں علمی تحقیقات کے کارخانے، رصد خانے، عظیم الشان کتب خانے، غرض کُل مصالح علمی تحقیقات کا موجود تھا، صرف اندلس میں ستر (۷۰) عام کتب خانے تھے۔

مؤرخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کے کتب خانے میں جو قرطبہ میں تھا، چھ (٦) لاکھ جلدیں تھیں، جن میں سے چوالیس (۴۴) جلدوں میں فہرست کتب تھی، اس کے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ چار سو (۴۰۰) برس بعد جب چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتب خانے کی بنیاد ڈالی تو وہ نوسو (۹۰۰) جلدوں

سے زیادہ جمع نہ کر سکے، اور ان میں سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری بھی نہ تھی۔"[1]

یورپ کے علمی خطِ ارتقاء میں سب سے بڑا انحراف

مغرب کے اپنی گہری نیند سے بیدار اور قرونِ وسطیٰ کے کلیسائی استبداد اور محاکم تفتیش (COURTS OF INQUISITION) سے آزاد اور انفرادی و اجتماعی مقاصد کی تکمیل کے لئے علم و تحقیق اور کائناتی قوتوں کی تسخیر کے سفر میں جو سب سے بڑی بے راہ روی پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ اس نے تہذیب و تمدّن میں انقلاب برپا کر دینے والے اس عمل کو مستقلاً اور آزادانہ طور پر جاری رکھا، اور اس کو اس کی کھلی چھوٹ دے دی کہ وہ اس کائنات پر حکومت کرے، اور اسے شخصی، وطنی اور قومی مقاصد کے لئے مسخّر کرے اور کائنات کے پیدا کرنے والے سے بے نیاز ہو کر اس کی خلافت کے بجائے استقلال و خودمختاری کی راہ پر چلتا رہے، اس علمی طریقۂ کار نے دنیا اور خصوصاً ان غیر ترقی یافتہ اور ان کی ماتحت اقوام پر بدنصیبی و محرومی اور مصائب کے پہاڑ توڑ دیئے۔

آدمؑ کو خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسماء کی تعلیم اور اس کی معنی خیزی

مذکورہ رویے کے برعکس قرآن انسانوں کو زمین میں اللہ کا خلیفہ

---

[1] تمدنِ عرب"۔ اردو ترجمہ سید علی بلگرامی صفحہ ۹۹-۳۹۸

قرار دیتا ہے، جسے اس کے اوامر کا نفاذ کرنا اور اس کی تعلیمات کے مطابق چلنا ہے، وہ محدود پیمانہ میں با اختیار خلیفہ ہے، جو اپنے رب کے احکام کا پابند، اس کے آگے جواب دِہ، اپنے عمل کی جزا پانے والا، اپنے ذاتی تصرّف و انانیت کے لئے حساب پر مجبور اور افراط و تفریط، محدود قوت، فانی حکومت، حیات گذراں اور دنیائے فانی سے دھوکہ کھانے اور اپنے جیسے انسانوں کو غلام بنانے پر سزا کا مستحق ہے۔

قرآن نے ایک بڑا معنی خیز و فکر انگیز مکالمہ نقل کیا ہے، جو تخلیقِ آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوا تھا جس کا آغاز اس طرح ہوا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً الخ۔ (سورۃ البقرہ۔ ۳۰)	اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

پھر فرمایا گیا:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (سورۃ البقرہ۔ ۳۱)	اور اللہ نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اس دنیا کا جو کچھ ضروری علم دیا گیا ہے، اور اس مادّی دنیا سے اس کا جو تعلق ہے، اور حیات و کائنات سے نفع اٹھانے کی اسے جتنی طاقت و صلاحیت دی گئی ہے،

وہ اسے خلافتِ الٰہی کے نتیجے میں ملی ہے، اور یہ سب اس کی ماتحتی نہ کہ خود مختاری کی حیثیت سے ملی ہے، اور اس منصب خلافت کے طفیل ہے، جو ملائکہ کے بجائے اسے دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن میں اشارۃً کہا گیا :-

وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ ط	اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں تمہیں اس نے خلیفہ بنایا ہے۔
(سورۃ الحدید - ۷)	

پھر فرمایا گیا :-

ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ○	پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔
(سورۃ یونس - ۱۴)	

قرآن مجید خلافتِ الٰہی کو بڑی ذمہ داری کی چیز سمجھتا ہے، جو عدل و رحمت اور سخت محاسبے کا مطالبہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو جو ایک وسیع مملکت کے حکمراں تھے، اس طرح مخاطب کرتا ہے :-

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ
الْحِسَابِ ۝
(سورۃ صٓ - ۲۶)

کیا کرو، اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں خدا کے رستہ سے بھٹکا دے گی جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔

سب سے بڑی غفلت وجہالت جو تاریخ عالم میں ظاہر ہوئی

خلافت و خود مختاری کا فرق بتانے کی کوئی ضرورت نہیں خلیفہ ہمیشہ اپنے مالک سے مربوط اور اس کا تابعدار، ذمہ داری میں امانتدار، اپنے ماتحتوں کا ہمدرد، اپنے مالک و آقا کا شکر گزار اور ہر فضل و کرم کو اس کی طرف منسوب کرنے والا ہوتا ہے، وہ غرور و تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، اور نہ قوت و حکومت اُسے آپے سے باہر کرتی ہے۔

لیکن مغرب نے اس حقیقت کو بھلا دیا، جس کے نتیجے میں نہ صرف علم و تحقیق کی تاریخ میں بلکہ پوری انسانی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی سامنے آئی، اور یہ کسی ایک فرد یا چند افراد یا کسی ایک فکر و فلسفہ کی بھول نہ تھی، بلکہ پوری علمی دنیا اور عالمی قیادتوں کی

بھول تھی، جس کے ہاتھ میں انسانیت کا مستقبل اور دنیا کے رجحانات تھے، اس طرح یہ بڑی بدبختانہ بھول اور بہت بھاری غفلت وجہالت تھی، جو تاریخ کے اسٹیج پر ظاہر ہوئی، اور ایسی غلطی تھی، جس نے غلطیوں کے بہت سے طویل دور پیدا کر دیئے، کسی دانشور نے صحیح کہا ہے، کہ "غلطی سے زیادہ کسی اور مخلوق کی افزائش نسل میں نہیں دیکھی" دنیا ابھی تک اس خطِّ مستقیم سے انحراف کے نتائج بھگت رہی ہے، جسے اللہ تعالٰے نے قرآن کے ذریعے (آدم کو عطائے خلافت اور علم کی تعلیم کا واقعہ سنا کر) عاقل انسانوں کے لئے قائم کیا تھا۔

اسلامی علمی تحریک کی پانچ خصوصیات

اسلامی تعلیمات کے زیر اثر مسلم علما کی محنت کی بدولت جو علمی تحریک برپا ہوئی اس کی خصوصیات میں پانچ خصوصیات بہت نمایاں ہیں، جن کی طرف ہم یہاں صرف اشارے کریں گے۔

۱۔ عالمیت وانسانیت

اس تحریک کی پہلی خصوصیت اس کی آفاقیت اور نسل انسانی سے اس کا عمومی تعلق ہے، کیونکہ علم اسلام میں جملہ اقوام وقبائل نسلوں اور خاندانوں اور تمام ملکوں کا ایک عمومی حق اور دولت مشترکہ

ہے، اور اس میں یہود کے "بنی لاوی" اور ہنود کے برہمنوں جیسا مخصوص حق کسی کو نہیں دیا گیا ہے، چنانچہ اسلام کی علمی برادری میں کسی قوم و نسل کو دوسری قوموں اور نسلوں کے مقابلے میں کوئی امتیاز نہیں دیا گیا ہے، اور اس میں نسل و خون سے زیادہ ذوق و شوق حسن قبول و حسن طلب، قدردانی اور جہد و اجتہاد میں تفوّق کو ترجیح دی گئی ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند سے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ:۔

لوكان العلم بالثريّا	اگر علم ثریا کی بلندی پر بھی
لتناوله اناس مّن ابناء	ہوتا تو اسے اہل فارس
فارس۔	میں سے کچھ لوگ حاصل
	کر لیتے۔

اس کی تاریخی شہادت نابغۂ عرب علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے اپنے مشہور مقدمہ میں یہ کہہ کر دی ہے کہ:۔

من الغريب الواقع أن	یہ عجیب واقعہ ہے کہ
حَمَلَة العلم فى المّلّة	ملّت اسلامیہ کے اکثر اہلِ علم
الاسلامية أكثرهم العجم	عجمی ہیں، علوم شرعیہ میں بھی
لا من العلوم الشرعية	اور علوم عقلیہ میں بھی، سوا
ولا من العلوم العقلية	معدودے چند کے سب
إلا فى القليل النادر مع	عجمی ہیں، حالانکہ یہ ملت عربی

أن الملة عربية وصاحب شريعتها عربي۔[1] | ہے اور صاحبِ شریعت بھی عرب ہیں۔

۲۔ عوامیت وعمومیت

اسلام کی علمی تحریک کی دوسری خصوصیت اس کی عوامیت وعمومیت ہے، اس لئے کہ وہ عوامی کوششوں اور مسلمانوں کی علمی قدر دانی اور اس کی ضرورت کے احساس اور کتاب وسنت میں اس کے فضائل اور اس پر اجر وثواب کے وعدے، اور جہالت کی مذمّت اور وعید پر یقین کے نتیجے میں برپا ہوئی، اور مسلمانوں نے ہر زمانے میں تحصیل علم میں ایک خاص سرگرمی اور ذوق وشوق دکھایا اور عالم اسلام میں مسلمانوں کی قدر دانی اور مالی تعاون کے ذریعے لاتعداد مدارس اور تعلیمی حلقے قائم ہوئے، جب کہ سرکاری طور پر صرف چند مدارس (نظامیۂ بغداد ونیشاپور کی طرح) مسلم دارالحکومت اور بڑے شہروں میں قائم ہوئے، مگر اس کے برعکس علماء کی رضا کارانہ محنت اور زاہد وقناعت پسند اساتذہ کی بدولت علم گھر گھر پھیل گیا، جنھوں نے حکومت کے مناصب ووظائف اور امراء واغنیاء کی سرپرستی سے بے نیاز ہوکر بقدر کفایت معاوضہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون مطبعہ بہیہ ص۴۰۱ اس دعوی کی تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات"

اور قوت لایموت پر قناعت کی، تاریخ نے اس سلسلے کی ایسی حیرت انگیز حکایات نقل کی ہیں کہ اگر راوی ثقہ اور روایات مشہور نہ ہوتیں اور علماء راسخین کے ایمان و احتساب کی قوت اور ایثار و قربانی کے جذبات کا یقین نہ ہوتا تو ان پر یقین نہ آتا۔[1]

یہاں مثال کے طور پر ایک واقعہ کا ذکر کافی ہوگا جس کا تعلق امام دارالہجرت مالک بن انس اور عباسی خلیفہ ہارون رشید سے ہے (جو خلیفۃ المسلمین اور اپنے وقت کا سب سے بڑا حکمراں تھا) امام مالک کو ہارون رشید نے ان سے موطا پڑھنے کے لئے طلب کیا تو امام مالک نے جواب دیا کہ "ان العلم یوتی ولا یاتی" (علم کے پاس جایا جاتا ہے وہ کسی کے پاس نہیں آتا) یہ سن کر ہارون رشید امام مالک کے ہمراہ ان سے مؤطا سننے کے لئے ان کے گھر گئے، جہاں انھوں نے ان کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا، پڑھتے وقت ہارون رشید نے ان سے کہا کہ اور لوگ باہر چلے جائیں تاکہ میں تنہا آپ سے پڑھوں، اس پر

---

[1] اس بارے میں مختلف ممالک میں علماء کے تراجم اور اسلامی ثقافت کی تاریخیں خصوصاً شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی کتاب "صفحات من صبر العلماء" اور "نزھۃ الخواطر" ۱/۸ از مولانا سید عبدالحی حسنی اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی کتاب "علمائے سلف" مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب "ہمارا قدیم نظام تعلیم و تربیت" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

امام مالک نے فرمایا "جب خواص کو علم دیا جاتا اور عوام کو اس سے محروم کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خواص کو بھی نفع نہیں دیتے"، اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:-

"اے امیر المؤمنین! ہم نے اپنے شہر کے اہلِ علم کو دیکھا ہے کہ وہ تواضع پسند کرتے ہیں" یہ سن کر ہارون رشید مسند سے نیچے اتر آیا اور ان کے سامنے بیٹھ کر مؤطاء کی سماعت کی۔[1]"

مسلمانوں کی علمی تحریک ایک عوامی تحریک تھی، جس سے ہر طبقے اور ہر سطح کے لوگ مستفید ہوتے تھے، تعلیم معاشرے کی عام دلچسپی کی چیز اور ایک ایسا شوق بن گئی جس سے اہلِ حرفہ اور پیشہ ور عوام بھی دلچسپی لیتے تھے، اسٹینلی لین پول "تاریخ عالم" میں لکھتا ہے:-

"خلیفہ سے لے کر کاریگر تک ہر مسلمان گویا حصول علم کے شوق اور سیاحت کا دیوانہ ہوگیا تھا، یہ سب سے بڑی خدمت تھی جو اسلام نے عمومی تہذیب کے لئے انجام دی ہر خطّہ سے بغداد جیسے مرکز علم کی جانب علم کے طالبین امنڈ پڑے، اور پھر یہی حال علم و ادب کے دوسرے مراکز کا ہوگیا، یہ حالت اس سے مشابہ تھی جو بعد میں یونیورسٹیوں کی جانب مغربی اہلِ علم کے سیلاب میں نظر آتی ہے، لیکن وہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی، مسجدیں جو اسلام کی جامعات

---

[1] شذرات الذہب ۱/۲۹۱

تھیں (اور اب بھی ہیں) ان طلبہ کے ہجوم سے بھر گئیں، جو علوم دینیہ، فقہ، فلسفہ، طب اور ریاضیات پر علماء کے درس سننے کے لئے آیا کرتے تھے، درس دینے والے علماء عربی بولنے والے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی مرضی سے درس دیا کرتے تھے، نہ انھیں سند کی ضرورت تھی نہ مشاہرہ کی، نہ ان کے اوپر کوئی نگرانی تھی، اگر وہ لائق و قابل ہوتے تو ان کے درس میں شرکت کرنے والوں کا یقینی طور پر بڑا مجمع ہو جاتا تھا، ان کی قدر و منزلت ان کی قابلیت کی بنا پر کی جاتی، اور ان کی تعداد رضا کارانہ طور پر مگر قلیل معاوضے سے کی جاتی تھی"[1]

اس نظام تعلیم کی طاقتور روح اور کارفرما جذبۂ تعلیم و تدریس سے رضائے الٰہی کی طلب اور اس کو عبادت سمجھنے کا عقیدہ تھا، یہ روح اسلام اور مسلمانوں کی طویل علمی و تعلیمی تاریخ اور اس کے زیر اثر وسیع رقبے میں عرصہ تک کارفرما رہی اور اس کے محیر العقول نمونے وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے، یہاں دور اخیر (تیرہویں صدی ہجری انیسویں صدی عیسوی) کا جب مغربی تہذیب اور نظام تعلیم اثر انداز ہو چکے تھے، ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے، جس سے ایمان و احتساب کی

---

[1] UNIVERSAL HISTORY OF THE WORLD (ED. J. A. HAMMERTON) LONDON VOL. IV P. 2532-33

اس دینی کیفیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو علمائے اسلام میں کارفرما تھی:۔

"مولانا عبدالرحیم صاحب (م ۱۲۴۳ء) رام پور میں درس دیتے تھے، روہیل کھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر ہاکنس نے ان کو بریلی کالج کی تدریس کے لئے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ کی (جو ۱۸۵۷ء) سے پہلے وہ حیثیت رکھتا تھا جو اس وقت ہزار بارہ سو کی بھی نہیں، پیش کش کی اور وعدہ کیا کہ تھوڑی مدت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہو جائے گی، انھوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپئے ماہوار ملتے ہیں، وہ بند ہو جائیں گے، ہاکنس نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے پچیس گنا پیش کرتا ہوں، اس کے مقابلہ میں اس حقیر رقم کی کیا حیثیت ہے؟ انھوں نے عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا ایک درخت ہے، اس کی بیری بہت میٹھی اور مجھے مرغوب ہے، بریلی میں وہ بیری کھانے کو نہیں ملے گی، ظاہر بیں انگریز اب بھی ان کے دل کی بات نہیں پا سکا، اس نے کہا کہ رام پور سے بیری کے آنے کا انتظام ہو سکتا ہے، آپ بریلی میں گھر بیٹھے اپنے درخت کی بیری کھا سکتے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رام پور میں درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہو جائے گا، اور میں ان کی خدمت سے

محروم ہوجاؤں گا، انگریز کی منطق نے اب بھی ہار نہیں مانی اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ بریلی میں آپ سے اپنی تعلیم جاری رکھیں، اور اپنی تکمیل کریں، آخر اس مسلمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا، مولانا نے فرمایا کہ یہ سب صحیح ہے، لیکن تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق میں قیامت میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟"[1]

۳۔ حرکیّت

"تاریخ اسلام اور عالم اسلام کی علمی تحریک کی ایک خصوصیت وہ حرکیت تھی، جو حصول علم، مطالعہ و تحقیق میں وسعت و اختصاص حدیث صحیح، سند عالی، لسانی و لغوی جستجو و تحقیق اور پھر مختلف ملکوں میں احکام شرعیہ اور علوم دینیہ کی اشاعت کی راہ میں محنت و مشقت اور قطع مسافت کی شکل میں ظاہر ہوئی، تاریخ و تراجم کی کتابیں اس کی دلکش مثالوں اور حیرت انگیز نمونوں سے پُر ہیں، خصوصاً محدثین کے حالات اور حدیث کی جمع و تدوین کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتابیں[2]، اس سلسلہ میں مشہور فلسفی مؤرخ ابن خلدون کے

---

[1] ماخوذ "نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۳۲۴" [2] ملاحظہ ہو علامہ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی کی "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی"

(باقی ص ۶۷ پر)

شہرۂ آفاق مقدمہ کا یہ اقتباس اس کی اہمیت اور علمائے اسلام کے طرز فکر کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے، ابن خلدون "علم کی خاطر ترکِ وطن اور مشائخ زمانہ سے ملاقات تعلیم پر چار چاند لگاتی ہے" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے :۔

"اس کا سبب یہ ہے کہ انسان علوم و اخلاق یا مذاہب و فضائل کبھی تعلیم و تعلّم کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اور کبھی صحبت و دید و کلام سے، لیکن جو چیز صحبت و تلقین سے حاصل ہوتی ہے، وہ طبیعت میں پختہ طریقہ سے بیٹھتی ہے، اور دل میں زیادہ گھر کرتی ہے، اب جس قدر اساتذہ کی تعداد بڑھتی ہے، اسی قدر ملکات کا حصول بیشتر و راسخ ہوتا ہے، پھر تعلیمی اصطلاحات گوناگوں و مختلف ہیں، حتیٰ کہ متعلم کو دھوکا لگتا ہے کہ یہ اصطلاحات علم کا جزء ہیں، اور جب وہ متعدد مشائخ سے ملاقات حاصل کرتا ہے، اور ان کے رنگ برنگ طرق و اسالیب تعلیم سے واقف ہوتا ہے، تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں، اور اب اصطلاحات میں تمیز کرنے لگتا ہے، اور ان کو علم سے جدا جاننے لگتا ہے، وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ

(باقی ص٦٦ کا) "رجال الفکر والدعوۃ" حصہ اول میں عنوان "قرنِ اول و ثانی میں جمع و تدوین حدیث" اور "محدّثین اور ان کی عالی ہمتی" ص ٩٩ - ٢٠٨

یہ اصطلاحات محض تعلیم کے طرق و وسائل ہیں، جو اساتذۂ روزگار نے اختیار کر لئے ہیں، اور ان کو تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے، بس اس سے زائد اس کی کوئی حقیقت نہیں، غرض ان باتوں کے جاننے اور اصطلاحات میں فرق کرنے سے متعلم کے ملکات، مصفی اور مستحکم ہو جاتے ہیں، اور علم و ہدایت کے راستے اس پر کھل جاتے ہیں، لہٰذا انھیں فوائد و مصالح مذکورہ کے پیش نظر طلب علم میں مشائخ عظام کی خدمت میں حاضری و موجودگی لازمی ہے، اور اس راہ میں سفر اختیار کرنا لابدی ہے[1]۔

---

[1] ترجمہ مقدمہ ابن خلدون۔ از مولانا سعد حسن خاں یوسفی ص۵۶۵ (طبع کراچی)

"اکتوبر ۱۹۸۵ء میں دنیا کے دو اہم علمی اداروں کونسل تحقیقات علوم اجتماعی SOCIAL SCIENCE RESEARCH COUNCIL اور علمی انجمنوں کی امریکی کونسل (AMERICAN COUNCIL OF LEARNED SOCIETIES) نے مسلم معاشرہ کے تقابلی مطالعہ کے لئے ایک جوائنٹ کمیٹی کی تشکیل کی، جس نے اپنی تحقیقات کے لئے اسلامی معاشرہ میں سفر کی اہمیت اس کے اثرات کو موضوع بحث کے طور پر اختیار کیا، اس کمیٹی کا بیان سوشل سائنس ریسرچ (SOCIAL SCIENCE RESEARCH COUNCIL) کے شمارہ ۴۰ مارچ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا، جس میں اس نے

(باقی ص۷۱ پر)

۴۔ عزیمت و جواں مردی

علمائے اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے، اسلامی حکومتوں اور معاشروں کے انحراف اور تخریبی سازشوں کے مقابلے پر سینہ سپر رہنے، وقت پڑنے پر جہاد و قتال، آزادیٔ وطن اور بیرونی طاقتوں اور اسلام دشمن حکومتوں سے مقابلے کی قیادت کی شکل میں اپنی عالی ہمتی، اور جواں مردی کے لئے ممتاز رہے ہیں، چنانچہ جہاد و اجتہاد اور عصر اول سے آج تک کی تجدیدی و اصلاحی تحریکات کی تاریخ کا محقق اس کے طویل عرصے میں (جو تقریباً مسلسل ہے) اس کے ہر صفحے پر قیادت و مرکزیت کے مقام پر کسی نہ کسی عالم دین کو دیکھتا ہے، جو اس انقلابی فکر و تحریک کا منبع و مصدر اور ابتدا و انتہا ہے[۱]۔

(باقی صفحہ ۷۰ کا) مسلمانوں کے حصول علم کے لئے سفر سے غیر معمولی شغف اور اس کے ان فوائد و اثرات کی اہمیت کا اظہار کیا ہے، جو ان علمی سفروں اور نقل و حرکت سے طالبین علم اور ماہرین فن کو ہر دور میں حاصل ہوتے رہے ہیں"۔

[۱] اس سلسلہ میں مختصراً مصنف کی کتاب "تزکیۂ و احسان یا تصوف و سلوک" کی نویں فصل بعنوان "اہل تصوف و دینی جہد و جہد" میں کچھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور ان چند نمایاں شخصیتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو بیک وقت عالم دین اور روحانی پیشوا تھے، ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۵

تیرہویں[۱۳] چودھویں[۱۴] صدی ہجری اور انیسویں[۱۹] بیسویں[۲۰] صدی عیسوی میں رباط و مراکش سے لے کر انڈونیشیا وملیشیا تک اور مصر وشام سے لے کر ہندوستان تک جتنے ملکوں میں بیرونی قبضہ واقتدار کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کیا گیا، اور آزادی اور استخلاص وطن کی جنگ لڑی گئی، اس کی قیادت یا تو تمام تر علماء دین کے ہاتھوں میں رہی یا وہ قیادت کی صفوں میں نمایاں وممتاز اور مؤثر و کارفرما رہے، اس تاریخی حقیقت کے جائزے اور اس کی نمایاں شخصیتوں کو پیش کرنے کے لئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، جو ایک وسیع النظر، انصاف پسند اور جفاکش مؤرخ و مصنف کی منتظر ہے، اس سلسلہ میں الجزائر اور برصغیر ہند میں خاص مماثلت ہے کہ دونوں جگہ مسلمانوں میں آزادی کی تحریک کی جدّوجہد وقیادت خالصۃً نامور و مسلم الثبوت علماء نے کی۔[۱]

۵۔ علم نافع پر خصوصی توجہ اور زور

اسلام کی علمی تحریک کی پانچویں خصوصیت اس کا علم نافع پر زور

---

[۱] اس سلسلہ میں الجزائر میں شیخ عبدالحمید بن بادیس، شیخ محمد البشیر الابراہیمی کا الجزائر میں، اور ہندوستان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام اختصاراً لیا جاسکتا ہے۔

دیتا ہے، جو ہدایت کا حامل، نجات کا ضامن، آخرت میں مفید ہو، اور وہ ایسا علم ہے، جس پر انسان کی سعادت ونجات موقوف ہے، اس کے ذریعہ سے وہ اپنے اور اس کائنات کے خالق ومالک اور اس دنیا کے چلانے والے کی ذات وصفات عالیہ کی معرفت صحیح حاصل کرتا ہے، اور اپنے اور اس کے درمیان ربط وتعلق کو سمجھتا ہے، اور اس کی رضامندی وناراضگی، اور آخرت میں اپنی سعادت وشقاوت کے اسباب کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں اور گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے، جو نجات وسعادت کے ضامن اور معرفت صحیحہ کے حامل علم سے محروم ہیں، اور ان کا سرمایۂ حیات وہ علم ہے، جو اس راہ میں قطعاً مفید نہیں، بلکہ اکثر اوقات رہزن ثابت ہوتا ہے :-

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ	یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی
الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ	ہی کو جانتے ہیں اور آخرت
هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (سورۃ الروم ۷)	کی طرف سے غافل ہیں۔

اور فرماتے ہیں :-

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي	بلکہ آخرت (کے بارے) میں
الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ	ان کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ
مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝	اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ
(سورۃ النمل - ٦٦)	اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ — کہہ دو کہ ہم تمھیں بتائیں جو
اَعْمَالًاo اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ — عملوں کے لحاظ سے بڑے
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ — نقصان میں ہیں، وہ لوگ
يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ — جن کی سعی دنیا کی زندگی میں
صُنْعًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ — برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ — ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ — ہیں، وہ لوگ ہیں جنھوں نے
لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًاo — اپنے پروردگار کی آیتوں اور
(سورۃ الکہف ۱۰۳-۱۰۵) — اس کے سامنے جانے سے
انکار کر دیا، تو ان کے اعمال
ضائع ہوگئے، اور ہم قیامت
کے دن ان کے لئے کچھ بھی
وزن قائم نہیں کریں گے۔

حدیث شریف میں دعا مانگی گئی ہے :۔

اللّٰھم إنی اعوذبك من — اے اللہ میں تجھ سے پناہ
علم لاینفع ومن قلب — مانگتا ہوں ایسے علم سے جو
لا یخشع ومن نفس — نفع نہ دے، ایسے دل سے
لا تشبع ومن دعوة — جس میں تیرا ڈر نہ ہو، اور

لا یستجاب لھا۔[1] ایسے نفس سے جو آسودہ ہونا
جانتا نہ ہو، اور ایسی دعوت
سے جو قبولیت سے سرفراز نہ ہو۔

جب علوم و فنون کام نہیں آتے اور نجات دینے والا معمولی علم انسان کے کام آتا ہے

ہم یہ مقالہ ایک دلچسپ اور سبق آموز قصّے پر ختم کرتے ہیں، جو علم نافع (جس کے ذریعے سلامتی و نجات حاصل ہوتی ہے) اور ان علوم کے درمیان فرق ظاہر کرتا ہے، جن کے جاننے پر (ان کے منافع اور مصالح کے باوجود) نجات و سلامتی موقوف نہیں، علماء و ادباء نے اکثر قصّوں سے حکمت و موعظت کا کام لیا ہے، یہ قصہ اس طویل علمی بحث کے سامعین و قارئین کرام کا ذہنی بوجھ کچھ ہلکا کردے گا، اور ان کی نشاط طبع کا باعث ہوگا:۔

"راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز و کیف آور تھی، اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے غیر تعلیم یافتہ ملّاح ان کی دلچسپی کا اچھا ذریعہ اور فقرے بازی،

---

[1] صحیح مسلم۔

مذاق و تفریح طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز و طرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟ ملّاح نے جواب دیا، میاں میں کچھ پڑھا لکھا نہیں۔

صاحبزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا" ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی؟

ملّاح نے کہا: میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔

دوسرے صاحبزادے بولے اقلیدس اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟

ملّاح نے کہا: حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔

اب تیسرے صاحبزادے نے شوشہ چھوڑا، مگر آپ نے جغرافیہ و تاریخ تو پڑھی ہی ہوگی؟

ملّاح نے جواب دیا، سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟

ملّاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا، پھر انھوں نے پوچھا چچا میاں تمھاری عمر کیا ہوگی؟ ملّاح نے بتایا یہی کوئی تیس سال! لڑکوں نے کہا آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی، اور کچھ پڑھا لکھا نہیں، ملّاح بیچارہ خفیف ہو کر رہ گیا، اور

چپ سادھ لی۔

قدرت کا تماشا دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آگیا، موجیں منھ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کو پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے، چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملّاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا "بھیّا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟"

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملّاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے، اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کردی، اور جب بھاری بھرکم اور مرعوب کُن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، ٹھیک ہے یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارے کیسے پہنچ سکو گے؟

لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا۔

"چچا جان یہی ایک علم ہم سے رہ گیا، ہم اسے نہیں سیکھ سکے"۔

لڑکوں کا جواب سن کر ملّاح زور سے ہنسا اور کہا
میاں میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے پوری عمر ڈبوئی
اس لئے کہ اس طوفان میں تمھارا پڑھا لکھا کچھ کام نہ آئے گا،
آج پیراکی ہی تمھاری جان بچا سکتی ہے، اور وہ تم جانتے
ہی نہیں "

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قلم کا ایک تازہ اہم شاہکار

تہذیب و تمدّن پر اسلام کے اثرات و احسانات

جس میں بڑے واضح اور متعیّن انداز سے انسانی تہذیب و تمدّن پر اسلام کے عظیم و ناقابلِ فراموش احسانات اور دُور رس و دیرپا نقوش و اثرات سے پوری علمی و تاریخی دیانت، فکری و تحقیقی متانت اور ایمانی حکمت و فراست کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور ایک پھیلے ہوئے تاریخی موضوع کو دس نکات میں سمیٹ کر گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دُنیا کو اسلام کے عظیم عطیات میں عظمتِ انسانی اور عورتوں کے حقوق کی بحالی، توحید کے عالمی اثرات، علم و عقل کی ہمّت افزائی، عالمی اُخوت و مساوات، دین و دنیا کی وحدت اور ایک صالح عالمی تمدّن پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔

- ایک تاریخی جائزہ جو عصری مشکلات و مسائل کا اسلامی حل ہے۔
- دنیا کے ایک بڑے مذہب (اسلام) کے عالمگیر اثرات کی نشاندہی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لئے قابلِ غور و فکر ہے۔
- ملّتِ اسلامیہ کے لئے لمحۂ فکریہ اور دنیا کی رہنمائی کے لئے سرگرم عمل ہونے کی مخلصانہ دعوت
- انسانیت کے حال و مستقبل اور اسلام سے تعلق رکھنے والے ہر مخلص اور جویائے حق انسان کے لئے ایک نادر تحفہ!

(قیمت فہرست کتب میں ملاحظہ فرمایئے)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے

عروج و زوال کا اثر

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی وہ شہرۂ آفاق کتاب

جو اس وقت دنیا کی چھ زبانوں (عربی، انگریزی، فرنچ، اردو، فارسی، ترکی) میں پڑھی جارہی ہے اور جس کے متعلق مشہور مستشرق پروفیسر سارجنٹ (کیمبرج یونیورسٹی) کو کہنا پڑا کہ "اگر برطانیہ میں کسی کتاب کی درآمد پر پابندی لگانے کا رواج ہوتا تو میری سفارش ہوتی کہ اس کتاب کے داخلہ پر پابندی عائد کی جائے اس لئے کہ اس کتاب میں صرف مغربی تہذیب کی مذمت کی گئی ہے"

جس کو پڑھ کر مغربی دنیا کے نامور فاضل لندن یونیورسٹی میں میڈل ایسٹ سکشن کے چیرمین ڈاکٹر بکنگھم نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ "اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر کی گئی ہے یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے"۔

جس کو پڑھ کر عالم اسلام کے نامور مفکر اور مشہور صاحبِ قلم سید قطب شہیدؒ نے ان الفاظ میں داد دی کہ "اس موضوع پر تمام قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گزری ہیں ان میں یہ کتاب خاص مقام رکھتی ہے یہ کتاب تاریخ نویسی کا ایک کامیاب نمونہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوب نگارش سے بے نیاز ہو کر تاریخی مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہیئے، اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا چاہیئے"۔

جس کو مشرق وسطیٰ کی عظیم تحریک اخوان المسلمین نے اپنے تربیتی کورس میں داخل کیا اور سعودی عرب کی وزارت تعلیمات نے اپنے کالجوں کے نصاب میں جگہ دی۔

جو مشرق کے لئے ایک تازیانہ اور مغرب کے لئے ایک چیلنج ہے۔

(قیمت ہماری فہرست کتب میں ملاحظہ فرمائیے)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)